مثنوی مولوی معنوی

ہست قرآں در زبان پہلوی
(جامی)

انوار العلوم

اردو نثر

مثنوی مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ

دفتر دوم
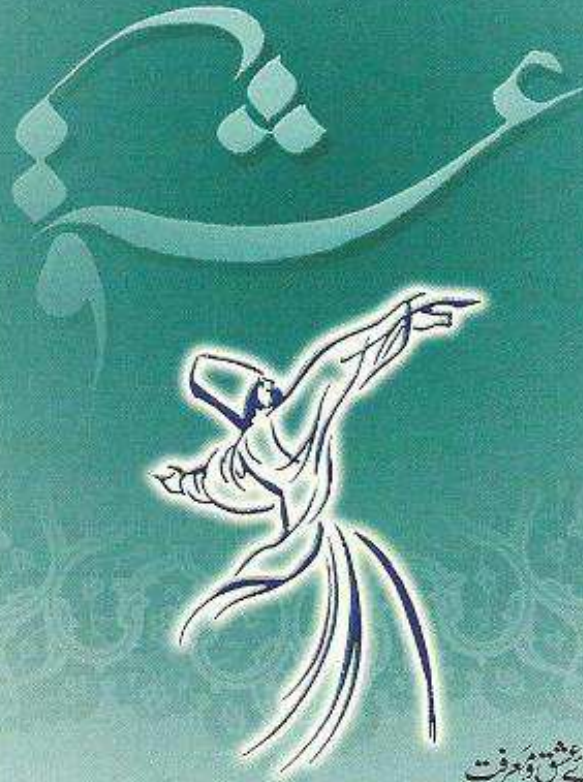
مصنف

سلطان العارفین بحر رموز حقائق خزانہ علم و حکمت دانائے عشق و معرفت

حضرت مولانا جلال الدین محمد بلخی رحمۃ اللہ علیہ

المعروف بہ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ

مترجم

محمد عالم امیری

248-A

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے مزارِ اقدس کا صدر دروازہ

کعبۃُ العشّاق باشد ایں مقام
ہر کہ ناقص آمد ایں جا شُد تمام

ترجمہ : عُشّاق کا کعبہ یہ مقام ہے یہاں ناقصوں کو کامل بنا دیا جاتا ہے۔

فہرست دفترِ دوم

تا بماند شاہیٔ اُو سرمدی — ہمچو عزّ ملکِ دینِ احمدی
اِس لئے کہ اُس کی شاہی ابدی ہے — جیسی کہ دینِ احمدی کی بادشاہی اور عزت

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر

تو مگو مارا بداں شہ بار نیست
تُو یہ نہ کہہ کہ ہماری رسائی اُس بادشاہ تک نہیں ہے

بر کریماں کارہا دُشوار نیست
کریموں پر بڑے کام کرنا دُشوار نہیں ہوتے

تو مگو مارا بداں شہ بار نیست
تُو یہ نہ کہہ کہ ہماری رسائی اُس بادشاہ تک نہیں ہے

بر کریماں کارہا دُشوار نیست
کریموں پر بڑے کام کرنا دُشوار نہیں ہوتے

در نیابد حالِ پختہ ہیچ خام
کوئی ناقص انسان، کامل کا حال معلوم نہیں کر سکتا

پس سخن کوتاہ باید والسلام
اِس لئے بات مختصر چاہیے، والسلام

در نیابد حالِ پختہ ہیچ خام
کوئی ناقص انسان، کامل کا حال معلوم نہیں کر سکتا

پس سخن کوتاہ باید والسلام
اس لئے بات مختصر چاہئے، والسلام

پیر باشد نردبانِ آسماں
پیر آسمان تک رسائی کے لئے سیڑھی ہوتا ہے

تیر پرّاں از کہ گردد، از کماں
جیسے کمان کے بغیر تیر نشانے پر نہیں پہنچتا

ابتدا دفترِ دوم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ایک مدّت مثنوی لکھنے میں تاخیر ہوئی لیکن خون کے دودھ میں تبدیل ہونے میں وقت لگتا ہے۔ جب تک تیرا نصیب نیا بچہ نہ جنے، خون، شیریں دودھ نہیں بنتا۔ اُس دروازے (قربِ الٰہی) کی آفت، خواہشِ نفسانی اور شہوت ہے۔ اپنے منہ کو بند رکھ آنکھوں پر پٹی باندھ لے۔ اے منہ! تُو دوزخ کا دہانہ ہے اور اے دنیا! تُو برزخ کی طرح ہے۔ اس ناچیز دُنیا کے پہلو بہ پہلو نور ہے۔ جیسے خون کی نالیوں کے پہلو بہ پہلو صاف دودھ ہوتا ہے۔ تُو اس میں ایک قدم بغیر احتیاط کے رکھے گا تو تیرا دودھ اور خون خلط ملط ہو جائیں گے۔ نفس کی خوشی میں آدم علیہ السلام نے ایک قدم رکھا تو جنت سے جُدائی گلے پڑ گئی، فرشتہ اُن سے ایسے بھاگتا تھا جیسے شیطان۔ چند لقموں کی وجہ سے کس قدر آنسو بہانے پڑے۔ اگرچہ وہ گناہ جو اُن سے سرزد ہوا ایک بال برابر تھا لیکن آنکھ کی پُتلی کے سامنے ایک بال بھی پہاڑ بن جاتا ہے۔

گناہ سے بچ جانے کی ترکیب یہ ہے کہ اہلِ علم سے مشورہ کر لیا جائے۔ بُری صحبت سے بچنا نہایت ضروری ہے۔ پیر کی صحبت تنہائی کی عبادت سے زیادہ فیض رساں ہے کیونکہ اہل اللہ کی صحبت اللہ کے قرب کا سبب ہوتی ہے۔ جا! کسی خدا کے دوست کی تلاش کر، جب تُو نے ایسا کر لیا تو خدا تیرا بھی دوست بن جائے گا۔ جو خلوت کو پسند کرتے ہیں اور اس کے فائدوں سے واقف ہیں، اُنہوں نے بھی تو خلوت پسندی کو یار ہی سے سیکھا ہے۔ گوشہ نشینی غیروں سے چاہیے نہ کہ یار سے۔ عقل دوسری عقل کے ساتھ ملنے سے دوگنی ہو جاتی ہے اور راستہ کو نمایاں کر دیتی ہے۔ نفس بھی نفس کے ساتھ مل کر دوگنا ہو جاتا ہے اور اندھیرا بڑھ کر راستے کو چُھپا دیتا ہے۔

ہر دو روزہ راہ صد سالہ شَوَد	ہر کہ در رَہ بے قلاوُوزے رَوَد
دو دن کی راہ سَو سالوں جتنی ہو جائے گی	جو بغیر کسی رہبر کے راستے پر چلنے کی کوشش کریگا

شیخ کی صحبت بہت کام کی چیز ہے مگر اس کے آداب سیکھ۔ اُس کی شان میں شک اور بدگمانی نہ کر۔ حدیث میں ہے اَلْمُؤْمِنُ مِرْاٰۃُ الْمُؤْمِنِ "مومن، مومن کا آئینہ ہوتا ہے"۔ جس طرح آئینہ عیب دکھا دیتا ہے اور اُس کو مشہور نہیں کرتا، اسی طرح ایک مومن کو دوسرے مومن کے ساتھ معاملہ کرنا چاہیے۔ غم میں یار جان کا آئینہ ہو جاتا ہے۔ اس آئینے پر پھونک مار کر اُسے دھندلا نہ کر۔ اپنے شیخ کے سامنے لاف زنی نہ کر، خاموش رہ تا کہ آئینہ پر دُھند نہ آئے۔ مٹی نے اپنے آپ کو یار (بہار) کے سُپرد کر دیا تو اُس میں سے لاکھوں کلیاں نکلیں۔ وہ درخت جو یار (بہار) کا ساتھی بنا سَر سے پیر تک سرسبز ہو گیا۔ خزاں کے موسم میں جب اُس نے نامناسب ساتھی دیکھا تو فوراً اپنا سر لحاف میں چھپا لیا۔ بُرا ساتھی مصیبت ہوتا ہے۔ اُس کی صحبت سے سو جانا بہتر ہوتا ہے۔ جیسے اصحاب کہف دقیانوس کی صحبت سے بچ کر سو گئے۔ جو نیند عقل مندی سے ہے وہ نادان دوست کی صحبت سے بہتر ہوتی ہے۔ جب کوؤں نے باغ میں ڈیرے ڈال دیئے تو بُلبلیں چُپ ہو کر چُھپ گئیں۔ بدصحبت سے خلوت میں سو جانا ہزار درجہ بہتر ہے۔

آفتاب اگر اِس چمن کو چھوڑتا ہے تو اِس لیے کہ زمین کے نچلے حصے کو روشن کرے۔ آفتاب کو فیض رسانی کے لیے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا پڑتا ہے لیکن شیخ اپنی جگہ رہتا ہے اور زمین کے ہر حصے کے باشندوں کو فیض پہنچاتا ہے۔ اگر تُو سکندر ہے تو سورج کے طلوع ہونے کی جگہ پر آ، اِس کے بعد جہاں جائے گا نیک بخت ہو گا۔ اِس کے بعد تُو جہاں بھی جائے گا مشرق یعنی فیض ہی ہو گا۔ تیری موتی برسانے والی حِس تیری رُوح ہی ہے۔ جسمانی حِس گدھوں کا راستہ ہے۔

ظاہری، چکھنا، چھونا، سُونگھنا، سُننا، دیکھنا، پانچ حسوں کے علاوہ چھ حِسّیں اور ہیں جن کا تعلق رُوح سے ہے۔ وہ قلب، رُوح، نفس، سِر، خفی، اخفیٰ ہیں، انہی حسیات سے انسان کو معرفتِ حق ہوتی ہے۔ بدنوں کی حِسّیں ظلمت سے روزی حاصل کرتی ہیں لیکن رُوح کی حِسّیں براہِ راست سورج (ذاتِ الٰہی) سے غذا حاصل کرتی ہیں۔ اِس عالم میں بدنی حسوں کی اہمیت ہے لیکن آخرت کے بازار میں رُوح کی حسوں کی قیمت پڑے گی۔

اے الٰہی! ہم تجھے تیری صفات ہی سے پہچان سکتے ہیں۔ تُو کبھی سورج میں، کبھی دریا میں تجلی دکھاتا ہے۔ کبھی کوہِ طور میں ہوتا ہے تو کبھی وہم سے بھی وراءُ الوراء ہو جاتا ہے۔ تیری ذات نہ "یہ" ہے اور نہ "وہ" ہے۔ تیری رُوح علم اور عقل کی ساتھی ہے، وہ نہ ترکی ہے اور نہ عربی۔ اے بے نقش! اتنے مظاہر کے ہوتے ہوئے تیری وجہ سے اہلِ تشبیہ بھی اور اہلِ توحید بھی حیران ہیں۔ تُو کبھی اہلِ تشبیہ کو مُوحِد بنا دیتا ہے اور کبھی اہلِ توحید کا صورت کی وجہ سے رہزن بن جاتا

گرچہ شیری چوں رَوی رَہ بے دلیل اگرچہ تُو شیر بھی ہو جب بغیر رہنما کے راستے طے کریگا	ہمچو رُوبہ در ضلالی و ذلیل تو لومڑی کی طرح گمراہی میں ذلیل ہو گا

ہے۔ جو شخص بھی حس میں پھنسا، وہ معتزلی ہے سُنّی نہیں ہے۔ جس نے حسِ خداوندی کے ذریعے اُس کی کوئی نشانی دیکھ لی وہ عین اطاعت کے لیے اللہ کی جناب میں ہے۔ اِس لیے کہ اہلِ نظر اُس کی جناب میں اپنی عقل کی آنکھ بند کرلیتے ہیں۔ اگر حیوانی حس اُسے دیکھ سکتی تو گاؤ اور خر بھی اُسے دیکھ لیتے۔ لیکن اولادِ آدم علیہ السلام کے لیے، اُس نے اپنی پہچان کے لیے نفسانی خواہشات سے بالاتر ایک مخصوص حس پیدا فرمائی۔ اسی لیے بنی آدم علیہ السلام کو مکرم کہا گیا۔

تیرا خدا کو باصورت یا بے صورت کہنا اُس وقت تک بے کار ہے جب تک کہ تُو مجاہدے کر کے سراپا رُوح نہ بن گیا ہو۔ باصورت یا بے صورت کی پہچان تو وہی کرسکتا ہے جو خود چھلکے سے مغز بن چکا ہو۔ اگر تم میں استعداد ہی نہیں ہے تو مجبوری ہے، ورنہ صبر کر کیونکہ صبر کشادگی کی کُنجی ہے۔ صبر آنکھوں کے سامنے آئے ہوئے پردوں کو ہٹا دیتا ہے۔ دل کا آئینہ جب صاف ہوجائے گا تو تُو نقش کو بھی دیکھے گا اور نقاش کو بھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ستارے، چاند اور سورج کو معبود خیال کرنا دراصل خیال کا ارتقاء تھا کیونکہ اِس طرح وہ بظاہر بُت پرستی کر رہے تھے لیکن دراصل بُت شکنی کر رہے تھے جو (بت) توحید کی راہ میں حائل تھے۔ اسی طرح تصورِ شیخ دراصل بظاہر بُت پرستی ہوتی ہے لیکن شیخ کی محبت اپنی بے غرضی کی وجہ سے سالک کو اللہ تک پہنچا دیتی ہے کیونکہ شیخ کے تصور سے ہمیں اپنے نفس کی حقیقت اپنی نفی کر کے حاصل ہو جاتی ہے اور اس نفی سے ہی ذاتِ حق کا ادراک ہوتا ہے اور ہر غیر سے بے نیازی حاصل ہو جاتی ہے۔

تدبیر یہ ہے کہ ہم اپنے آپ کو دیکھیں، ہم اِس کے قابل بھی ہیں یا نہیں۔ اچھا بن جا کہ ہر اچھا، اچھوں کو ہی پسند کرتا ہے اور باطل، باطلوں کو جذب کرتا ہے۔ باقی رہنے والے باقی رہنے والوں سے خوش ہیں۔ آنکھوں کا نور بیرونی نور کا طالب ہے، ورنہ گھبراہٹ پیدا ہوجاتی ہے۔ اگر گھبراہٹ ہے تو سمجھ لے کہ دل کی آنکھ بند ہے۔ دل کی آنکھ لا انتہا نور کا مُشاہدہ چاہتی ہے۔ جب یہ طے ہے کہ ہم جنس، ہم جنس کا طالب ہوتا ہے تو اگر کوئی حسین کسی بدصورت کا طالب ہوتا ہے تو محض مذاق کے لیے ہوتا ہے۔ شیخ کے ذریعے فنا ہو کر مرید کو اپنی حقیقی تصویر نظر آجاتی ہے۔ شیخ ایک آئینہ ہوتا ہے اور اُس میں دیکھ کر اپنی خوب صورتی اور بدصورتی پہچان لی جاتی ہے۔ وہ آئینہ بہت قیمتی ہے جو ہمارے نقائص ہم پر ظاہر کردے کیونکہ اُس کا تعلق عالمِ ملکوت کے ساتھ ہے، اِس لیے شیخِ کامل کو ڈھونڈ۔ حضرت مریم علیہا السلام کو دردِ زہ کھجور کے درخت کی طرف لے گیا۔ جب ہم نورِ مطلق کو تعینات کے دھوئیں سے جدا کردیں گے تو ذات کا نقش خود بخود سامنے آجائے گا۔ جب تُو اپنی ذات کو اپنا خیال سمجھے گا تو تیرے نقش میں سے آواز آئے گی کہ میں "تُو" ہے اور "تُو" میں ہوں۔ شیخ کی چشمِ دل میں جو کہ ہمیشہ حقائق سے وابستہ ہے کوئی خیالی چیز نہیں سما سکتی۔ ناقص کی چشمِ دل میں غیر حقیقی

ہیں مپر اِلّا کہ با پَرہائے شیخ
خبردار! شیخ کے پَروں کے بغیر پرواز نہ کر

تا بہ بینی عونِ لشکر ہائے شیخ
تاکہ تُو شیخ کے لشکروں کی مدد کو دیکھ سکے

چیزیں نمودار ہوتی ہیں کیونکہ ناقص کا تعلق عالَمِ سِفلی سے ہے۔ جب تک تیری ہستی کا ایک بال بھی رہے گا تیری ہستی تیرے خیال میں گم ہو جائے گی۔ ایک حکایت سُن۔

امیرالمومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک شخص کا خیال کو چاند سمجھنا

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں رمضان آیا تو سب چاند دیکھنے کے لیے پہاڑ پر چڑھ گئے۔ ایک شخص بولا: چاند یہ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آسمان پر چاند نہ دیکھا تو فرمایا کہ یہ چاند تیرے خیال کا چمکا ہے ورنہ میں جو کہ آسمانوں کو تجھ سے زیادہ دیکھنے والا ہوں مجھے چاند کیوں نظر نہیں آیا؟ فرمایا: جا ہاتھ تر کر اور ابرو پر مل اور پھر چاند کی طرف دیکھ۔ جب اُس نے ابرو کو تر کیا تو چاند کو نہ دیکھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تیرے ابرو کا بال کمان بن گیا اور تُو نے چاند کے بارے میں گمان کا تیر چلا دیا۔ تیرے ابرو کا ایک بال ٹیڑھا ہوا تو خیال نے نئے چاند کی شکل نمودار کر دی۔ ایک ٹیڑھا بال جب آسمان کا پردہ بن گیا تو اگر تیرے اور اجزاء ٹیڑھے ہو جائیں تو کیا ہو گا؟ جا سچوں کے ذریعے اپنے اجزاء سیدھے کرا لے اور اپنا سر اُس چوکھٹ سے نہ ہٹا۔ یاد رکھ! غیروں سے ملنا اپنوں سے ٹوٹنا ہے۔ شیطان تجھے اپنے فریب میں پھنسائے گا۔ اُس نے تو تیرے باپ کو بھی ہرا دیا تھا۔ شیطان تیرے دل میں رُتبے اور مال کی محبت ڈال دے گا جو کہ دونوں فانی چیزیں ہیں اور تجھے آبِ حیات سے دُور رکھے گا۔

ایک سپیرے کا دُوسرے سپیرے کے سانپ کو چُرانا

ایک چور بے وقوفی سے ایک سانپ پالنے والے کا (دولت سمجھتے ہوئے) سانپ اُٹھا کر لے گیا۔ سپیرا تو سانپ کے زہر سے بچ گیا لیکن چور کو سانپ نے کاٹ لیا۔ سپیرے نے دیکھا تو کہا کہ میں دُعا کرتا تھا کہ سانپ مجھے مل جائے۔ شکر ہے کہ میری دُعا قبول نہیں ہوئی۔ میں نے اپنا نقصان سمجھا تھا لیکن میں نفع میں رہا۔ میری بجائے وہ مارا گیا۔

بہت سی دُعائیں ایسی ہوتی ہیں، جو ہماری ہلاکت کا باعث بن سکتی ہیں۔ اللہ پاک اپنے کرم سے انہیں قبول نہیں کرتا۔ دُعا کرنے والا شاکی ہوتا ہے اور بُرا گمان کرتا ہے۔ یہ بدگمانی بُری چیز ہے۔ دُعا کرنے والا نہیں سمجھتا کہ اُس نے اپنی مصیبت کی دُعا کی تھی۔

پیر تابستان و خلقاں تیر ماہ	خلق مانندِ شب اند و پیر ماہ
پیر، موسمِ بہار ہے اور مخلوق خزاں ہے	مخلوق رات جیسی ہے اور پیر چاند کی طرح

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھی کا اُن سے ہڈیوں کو زندہ کر دینے کی درخواست کرنا

ایک بے وقوف، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا سفر کا ساتھی بن گیا۔ اُس نے ایک قبر میں ہڈیاں دیکھیں۔ کہنے لگا: اے بلند ذات! تم مُردوں کو زندہ کرتے ہو، مجھے یہ کام سکھا دو تاکہ میں اچھا کام کروں اور ہڈیوں کو جاندار بنا دوں۔ اُنہوں نے فرمایا: چُپ رہ کہ یہ تیرا کام نہیں ہے، یہ کام اُن کے کرنے کا ہے کہ جن کا سانس بارش سے زیادہ تیز اور فرشتوں جیسا ہو۔ سانس کو پاک کرنے کے لیے عمریں درکار ہیں تاکہ انسان آسمانوں کے خزانوں کا امین بن سکے۔ تیرے ہاتھ میں لاٹھی تو ہے لیکن موسیٰ علیہ السلام جیسا اعجاز کہاں؟ وہ بولا: اگر میں وہ اَسرار پڑھنے کے لائق نہیں ہوں تو آپ تو ایسا کر سکتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اے خدا! کیا راز ہے؟ یہ بے وقوف اپنی قلبی بیماری کا غم کیوں نہیں کرتا؟ اُسے اِس مُردے کی جان کا غم کیوں ہے؟ اُس نے اپنے مُردے کو چھوڑا ہے اور غیر کے مُردے کی بھلائی چاہتا ہے۔ اللہ نے فرمایا: یہ بدبخت ہے، جو ہمیشہ کانٹے بوئے گا۔ تُو اِسے گلشن میں کہاں تلاش کرتا ہے۔ ایسا آدمی دوست کی طرف جائے گا تو سانپ بن جائے گا۔ اُس کے قول و فعل پر بھروسہ نہ کر۔

صُوفی کا خادم کو جانور کی خبر گیری کی نصیحت کرنا اور خادم کا لاحول پڑھنا

ایک صوفی گشت کرتے کرتے ایک خانقاہ میں پہنچا۔ اپنے سواری کے جانور کو اصطبل میں باندھ دیا اور دیگر ساتھیوں کے ساتھ مُراقبہ کرنے لگا۔ یار کی صحبت' دفتر یا حرف سے پاک ہوتی ہے۔ وہاں تو برف کی طرح سفید دل کے سوا کچھ نہیں۔ عقلمند کا توشہ قلم کے نشانات ہوتے ہیں اور صوفی کا تحفہ' اَنوارِ الٰہی کا شکار، جیسے شکاری ہرن کے قدموں کے نشان پر چل پڑتا ہے، آخرکار ہرن کا نافہ اُس کا رہنما بن جاتا ہے۔ اِس لیے کہ اُس نے نشاناتِ قدم (اللہ کی نشانیوں) کی قدر کی اور اِس طرح نافہ کی خوش بُو اُسے منزل تک لے گئی۔ سالک فرطِ شوق میں مطلوبِ حقیقی کی منازلِ قرب طے کرنے لگتا ہے۔ پھر اللہ کی جانب سے جذب و کشش ہوتی ہے۔ جب اللہ کی جانب سے کشش ہو رہی ہو تو شیطانی مداخلت ممکن نہیں ہوتی۔ اِسی وجہ سے مجذوب' سالک سے افضل ہوتا ہے کیونکہ اللہ کی جانب سے کشش ہر قسم کی عبادت سے بڑھ کر ہے۔ اللہ کی کشش کی وجہ سے ہی اولیاء رحمہم اللہ کی رُوحیں عالَمِ اَرواح میں ہی وہ سب کچھ حاصل کر لیتی ہیں' جو عوام کو عالَمِ ناسُوت میں آنے کے بعد حاصل ہو گا۔

مخلُوق کے پیدا کرنے میں اللہ تعالیٰ کا فرشتوں سے مشورہ

جب مخلوق کے پیدا کرنے پر مشورہ ہو رہا تھا تو فرشتوں نے تخلیقِ انسان اور اُس کی

کردہ اَم بختِ جواں را نام پیر
میں نے خوش بخت کو پیر کہا ہے

کو ز حق پیر ست نہ از ایّامِ پیر
کیونکہ وہ خُدا کی جانب سے پیر ہے عمر کی وجہ سے پیر نہیں ہے

خلافت کے خلاف مشورہ دیا۔ اولیاء رحمۃ اللہ علیہم کی رُوحیں چونکہ قدرت کے سمندر میں غرق تھیں اور منشائے الٰہی سے واقف تھیں، اُنہوں نے فرشتوں کے مشورہ کی ہنسی اُڑائی کیونکہ اللہ کے اعمال کے نتائج کا اُنہیں علم تھا۔ عالَمِ ناسُوت میں آنے سے قبل ہی اُنہوں نے چیزوں کا مُشاہدہ کیا ہوا تھا اور وہ اُن کی کیفیات سے واقف تھے، اور رُوحِ اعظم میں سب کا اشتراک ہے، لہٰذا تمام اولیاء رحمۃ اللہ علیہم درحقیقت مُتّحِد اور ایک ہیں۔ تشخص کے اِعتبار سے اُن میں دُوئی ہے لیکن باطنی قوت کے اِعتبار سے ایک ہیں کیونکہ اللہ کا نور متعدد نہیں ہوسکتا۔ موجوں کا تعدُّد ہوا کی وجہ سے ہے ورنہ درحقیقت وہ ایک ہی ہیں۔ رُوحِ انسانی تعداد کے باوجود حقیقت میں مُتّحِد ہے۔ سورج کی روشنی کا تعدُّد مختلف قسم کے روزنوں کی وجہ سے ہے؛ درحقیقت وہ ایک ہی ہے۔ خدا کے نور میں تفرقہ ممکن نہیں۔

منزل میرے مقصد کی کعبہ ہے نہ بُت خانہ
اِن دونوں سے آگے چل لے ہمتِ مردانہ (بیدم وارثی رحمۃ اللہ علیہ)

حکایت کے معنیٰ کی تقریر کا بند ہوجانا چونکہ سُننے والے کا رُجحان حکایت کے ظاہر کی طرف ہے

میں اَسرار کی وضاحت کردوں، لیکن نہیں کہہ سکتا کیونکہ شاید سننے والے کا دل حاضر نہیں ہے۔ پورا حال بیان کرنے کے لیے صوفی کا حال بیان کرنا ضروری ہوگیا ہے۔ ظاہری صوفی، بچّوں کی طرح اخروٹ و مِشمِش سے دلچسپی رکھتا ہے، یعنی ظاہر سے۔ تُو اگر مرد ہے تو اِن دونوں چیزوں (ظاہری شان، جاہ طلبی، طمع وغیرہ) سے گزر جا۔ رُوح کی منازل طے کرنے کے لیے ریاضت کی طرف توجہ کر۔ اگر تُو کامیاب نہ بھی ہوا تو خدا کی مدد شاملِ حال ہوجائے گی لیکن بھُس (ظاہر) کو غلّہ (باطن) سے جدا کرلے۔

خادم کا چوپائے کی نگرانی اپنے ذِمّہ لینا اور وعدہ خلافی کرنا

جب صوفیوں کا وجد و طرب ختم ہوا تو کھانا لایا گیا۔ صوفی کو اپنے جانور کا خیال آیا۔ اُس نے خادم سے کہا کہ جانور کی اچھی طرح سے خبر گیری کرے۔ خادم بولا: لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ میں ان کاموں میں ماہر ہوں۔ زیادہ تاکید کر کے شرمندہ نہ کریں۔ صوفی بار بار تاکید کرتا جاتا اور وہ ہر بار لَاحَوْلَ پڑھتا جاتا اور کہتا کہ ہمارے پاس ہر طرح کے مہمان آتے رہتے ہیں۔ میں سب کی اچھی طرح خدمت کرتا ہوں اِسی لیے تر و تازہ ہوں۔
خادم چلا گیا تو صوفی کو غفلت کی نیند آگئی۔ خادم چند آوارہ مزاجوں کے پاس پہنچا اور صوفی کی نصیحتوں کا مذاق اُڑانے لگا۔ صوفی نے خواب میں دیکھا کہ بھیڑیا اُس کے گدھے کے ٹکڑے کر رہا ہے، وہ چیخا: ارے نوکر کہاں ہے؟ پھر

خاصہ آں خمریکہ باشد مِن لَدُن	خود قوی تر می بُود خمرِ کہن
خصوصاً وہ شراب جو لدُنی کی ہو	پُرانی شراب خود زیادہ قوی ہوتی ہے

اُس نے دیکھا کہ گدھا کبھی کنویں میں گرتا ہے۔ وہ طرح طرح کے ناخوش گوار واقعات دیکھتا۔ مصیبت دُور کرنے کے لیے آیات کی تلاوت کرتا۔ پھر سوچتا یہ بُرائی کرنے والے بلاوجہ کیوں بُرائی کرتے ہیں؟ پھر کہنے لگا: شاید حسد کی وجہ سے کرتے ہوں۔ اُدھر گدھا بھوک اور تکلیف کی وجہ سے پریشان تھا، کہنے لگا: ناتجربہ کار مالک نے خادم پر کیوں بھروسہ کرلیا اور اُس کی چکنی چپڑی باتوں میں آگیا۔ وہ کود رہا تھا اور اُس کی زبان کہاں تھی کہ اپنا حال بتاتا۔

قافلہ والوں کا گُمان کہ صُوفی کا گدھا بیمار ہے

چونکہ خادم نے گدھے کو رات کو کھانے کے لیے کچھ نہ دیا تھا۔ وہ کمزوری کے باعث گرنے لگا۔ لوگوں نے صوفی سے وجہ پوچھی تو اُس نے کہا کہ دراصل میں نے اپنا کام خادم پر چھوڑ دیا تھا اس لیے مجھے یہ پریشانی اُٹھانا پڑی۔ ہمیشہ اپنا کام خود کرنے کی عادت ڈالنی چاہیے اور لوگوں کی چکنی چپڑی باتوں میں نہیں آنا چاہیے' جیسے کہ میرے ساتھ ہوا۔ کئی لوگ بھی شیطان صفت ہوتے ہیں۔ باتوں میں پھنسا لیتے ہیں اور راستے سے بھٹکا دیتے ہیں۔ جو دُنیا میں شیطان کا دھوکا کھاتا ہے یعنی دوست نما دشمن سے تعظیم پر پھولتا ہے اور فریب کھاتا ہے تو پُلِ صراط پر گدھے کی طرح منہ کے بل گرتا ہے۔ ایسے شریر دوستوں سے بچو اور لاپرواہ ہو کر نہ رہو۔ کئی لَاحَولَ پڑھنے والے شیطان بھی ہوتے ہیں۔ وہ تمہیں "جانِ دوست" کہے گا مگر تمہاری کھال کھینچ لے گا۔ کسی کی میٹھی باتوں سے دھوکا مت کھاؤ، جیسے خادم کی چرب زبانی سے صوفی مصیبت میں پھنس گیا۔

کچھ لوگ بیگانہ صرف غیر آدمی کو سمجھتے ہیں۔ یاد رکھو! تمہارا یہ جسمِ خاکی بھی بیگانہ ہے جو کہ تمہارا ساتھ نہ دے گا۔ اِس لیے محض تن پروری بھی بیگانے کے کام میں لگنا ہے۔ تن پروری سے تمہاری رُوح جو کہ تمہاری اصل ہے، کمزور ہوتی ہے۔ گل سڑ جانے والی چیزوں کی نگہداشت زیادہ مناسب نہیں ہے۔ اللہ کے ذکر سے رُوح معطر ہوتی ہے اور مُنافق بظاہر خدا کا نام لیتا ہے لیکن اُس کے دل میں گندگی ہے۔ اُس کا عمل گندگی پر اُگے ہوئے سبزے کی طرح ہے' جو عارضی ہے۔ اچھی چیزیں اچھے لوگوں کے لیے ہیں اور بُرائیاں بُرے لوگوں کے لیے۔ کینہ دل کا بہت بڑا آزار ہے، درحقیقت عذاب النار ہے۔ اسی لیے کینہ ور دوزخ کا جزو ہے۔ یاد رکھو! جنتی اور دوزخی ہونے کا دارومدار خیالات اور اعتقادات پر ہے۔ یہی انسان کی خصوصیت ہے ورنہ گوشت پوست تو دوسرے حیوانات میں بھی ہے۔ اگر تیرا فکر پھول جیسا ہے تو تُو گلزار ہے اور اگر پیشاب کی طرح ہے تو تُو باہر پھینکا جائے گا۔

اپنی صحبت نیکوں کے ساتھ رکھ کیوں کہ ہم جنسوں سے ہم جنس ملائے جاتے ہیں۔ جلدی ناجنسوں سے رہائی حاصل

پیر را بگزیں کہ بے پیر ایں سفر ہست بس پُر آفت و خوف و خطر

پیر (کا توسل) اختیار کر، یہ سفر بغیر پیر کے آفت اور خوف و خطر سے پُر ہے

کر لے۔ عالمِ ارواح میں نیک اور بد رُوحیں الگ الگ تھیں۔ عالمِ ناسُوت میں آ کر نیک و بد آپس میں مل گئے۔ انبیاء علیہم السلام اور اللہ کے نیک بندوں کی تعلیمات روشنی کی طرح ہیں۔ رات کے وقت مسافروں میں باہمی اِمتیاز نہیں ہوتا لیکن روشنی آتے ہی سب کچھ پہچانا جاسکتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام بمثل آنکھ کے ہیں' جو اچھے بُرے کو پہچان لیتے ہیں۔ اُن کی تعلیمات سے روشنی حاصل کرلو۔ قرآن میں قیامت کو دن بتایا گیا ہے کہ جب ہمارے خیالات اصل شکلوں میں ظاہر ہو جائیں گے۔ صوفیاء کی زبان میں ظاہر کو حقیقت اور مظاہر کو صورت کہا جاتا ہے، تمام کائنات اَسمائے الٰہی کا مظہر ہے اور اَسمائے الٰہی ظاہر اور حقیقت ہیں۔ اِس کائنات میں انسان' ذاتِ الٰہی کا مظہرِ اتم ہے۔ قیامت کے دن کی حقیقت اولیاء رحمۃ اللہ علیہم کا باطن ہے۔ چونکہ وہ اللہ کے اِسمِ مُقسِط کے مظہر ہیں تو کھوٹے کو کھرے سے الگ کرسکتے ہیں۔ اُن کے قلوب میں کھرے کھوٹے کے جدا کرنے کی صلاحیت ہے اور پردہ پوشی کی بھی، لٰہذا یہ دن رات اُن کے قلوب کا عکس ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ نے وَالضُّحیٰ فرمایا یعنی روشنی۔ اِس سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ مُبارک کا نور ہے، جس کی قسم خدا نے قرآن میں کھائی ہے۔ اگر ضحیٰ کے معنیٰ چاشت کے لیے جائیں تو پھر بھی اِس قسم کی بنیاد اسی پر ہے کہ وہ نورِ مصطفوی کا مَظہر ہے ورنہ چاشت کا وقت تو فانی شے ہے جو کہ خدا کی قسم کے لائق نہیں ہے۔ خدا نے جو وَاللَّیل کی قسم کھائی ہے تو اِس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ستاری اور جسدِ عنصری مراد ہے جس میں نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پنہاں ہے۔ چند دن وحی کی بندش سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پریشانی لاحق ہوئی تو یہود نے کہنا شروع کردیا کہ اُن کی خدا تک رسائی نہیں ہے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے رُوح کی حقیقت کے بارے میں سوال کا جواب وحی کی روشنی میں دینا چاہتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پریشانی تب دُور ہوئی جب مَا وَدَّعَكَ (اس نے تمہیں چھوڑا نہیں ہے) نازل ہوئی تو جسمِ خاکی کے ابتلا سے وصل پیدا ہوگیا۔ کسی حالت کو عبادت کے ذریعے بیان کیا جاتا ہے۔ اِن دونوں یعنی حالت اور اُس کے بیان میں وہی نسبت ہے جو ہاتھ اور کاریگر کے اوزار کی ہے۔ اگر ہاتھ اور اوزار میں مناسبت ہے تو کام ٹھیک ہوگا' ورنہ غلط۔ اِسی طرح عبادت اگر حال کے مطابق ہے تو صحیح ہے، ورنہ غلط۔ ہر آلہ ہر ہاتھ میں صحیح کام نہیں کرتا۔ ہاتھ اور آلہ میں تناسب ضروری ہے۔ جیسے کہ کتے کے آگے گھاس نہیں ڈالی جاتی اور گدھے کے سامنے ہڈی نہیں ڈالی جاتی۔

منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے آپ کو فنا کرکے اَنَا الْحَقّ کہا' مقبول ٹھہرا، عبادت اور حال میں مطابقت تھی۔ فرعون نے بھی وہی بات کی' جو جھوٹ تھا، عبادت اور حال میں مطابقت نہ تھی۔ موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ کا عصا لکڑی سے اژدہا بن گیا، جو مُعجزہ ہونے کی وجہ سے اُن کی رسالت کا گواہ بنا۔ آلہ اور ہاتھ میں رُوحانی مناسبت تھی۔ جادوگروں کے ہاتھ رُوحانی

آں رہے کہ بارہا تو رفتہٴ
جس راستہ پر تُو بارہا چلا ہے

بے قلاوز اندر آں آشفتہٴ
بغیر رہنما کے تو اُس میں پریشان کیوں ہے؟

مناسبت سے متعلق نہ تھے۔ اُن کی لاٹھیاں بے کار ہو گئیں۔ جب ہاتھ کام کا نہ ہو تو اوزار کام نہیں کرے گا۔

اِس زندگی میں نتائج پیدا کرنے کے لیے جوڑے کی ضرورت ہوتی ہے لیکن خدا جوڑے اور آلے سے پاک ہے۔ جو خدا کو ایک سے زیادہ تعداد میں مانتے ہیں، ایسا اُن کے رُوحانی بھینگاپن کی وجہ سے ہے ورنہ وہ بھی ایک کے وجود کو مانتے ہیں۔ ضروری بات ہے کہ ایک کو مان کر اُسی کے تابع فرمان بنا جائے۔ گیند وہی صحیح ہے جو بلے کی مار کے مطابق حرکت کرے۔ اِس لیے ہر مُوحِد کو بھی چوگانِ قضا کے مطابق عمل کرنا چاہیے۔ اے اندھے! ہوش سے اُس کا کلام سُن۔ کان کے راستے سے آنکھ کا علاج کر اور بھینگے پَن کو دُور کر۔ پاک کلام اندھے دلوں میں نہیں ٹھہرتے، اصل نور کی طرف چلے جاتے ہیں۔ شیطانی منتر ٹیڑھے دلوں میں اُتر جاتے ہیں۔ اگرچہ دانائی کی باتوں کو تُو دہرائے، لکھ لے، زبانی یاد کرلے اور تُو ڈینگیں مار مار کر اُن کو بیان کرے، وہ تجھ سے علیحدہ رہیں گی، تجھ سے منہ پھیر لیں گی۔ اگر تُو خود خدا کی طرف متوجہ نہیں ہے جو کہ مَعارِف کا سرچشمہ ہے تو تُو کہیں کا نہیں کیونکہ تیری زبان اور دل میں مناسبت نہیں ہے۔ رُوح اور جسم کی مناسبت اثر کے لیے ضروری ہے۔

بادشاہ کا گمشُدہ باز کو بُوڑھی عورت کے گھر پالینا

علم کو باز سمجھ جو بادشاہ سے بھاگا اور آٹا چھانتی بُڑھیا کے پاس آ گیا۔ اُس نے باز کو دیکھا تو اُس کے پاؤں باندھ کر اُس کے پَر کاٹ دیے، ناخن کاٹ دیے اور کھانے کے لیے اُس کے آگے گھاس ڈال دی۔ بولی: نااہلوں نے تیری خبر گیری نہ کی' ناخن اور پَر بڑھا دیے۔ اے دوست! جاہل کی محبت کو ایسا ہی سمجھ۔ وہ اگر تجھ سے ہمدردی بھی کرے گا تو تجھے زخمی کردے گا۔ بادشاہ ڈھونڈتے ڈھونڈتے بُڑھیا تک پہنچا تو باز کی حالت دیکھ کر رونے لگا۔ بولا: یہ تیرے بھاگنے کی سزا ہے۔ جنت کے راستے سے دوزخ کی طرف بھاگنے والوں کا یہی انجام ہوتا ہے۔ یہ بوڑھی، کمینی دُنیا ہے جو اِس کی طرف جُھکا ذلیل ہوا۔ دُنیا جاہل ہے (خدا سے دُور کرنے والی) عقل مند وہ ہے جو اِس جاہل سے نجات پالے۔

باز اپنے بازو بادشاہ کے ہاتھ پر ملتا تھا اور بغیر زبان کے کہتا تھا کہ میں نے خطا کی۔ اے کریم! اگر تُو نیک کے سوا کسی کی دُعا قبول نہیں کرتا تو شرمندہ کہاں سر جھکائیں؟ اے دوست! شاہ کی مہربانی پر جان کو گناہ میں نہ ڈال۔ وہ اگر چاہے تو ہر بُرائی کو بھلائی سے بدل دے اور کبھی اپنی عبادت کو کسی لائق نہ سمجھ، وہ اُسے خطا سمجھتا ہے۔ تُو تو عادت کے طور پر ذکر و دُعا کرتا ہے' جس نے تجھے مغرور کردیا ہے۔ تُو اپنے آپ کو خدا سے ہمکلام سمجھتا ہے۔ بہت سے لوگ اسی گمان

پس رہے راکہ ندیدستی تو ہیچ
پھر وہ راستہ جو تُو نے کبھی نہیں دیکھا ہے

میں دُور جا پڑے۔ باز نے کہا: اے شاہ! میں شرمندہ ہوں۔ اگرچہ میرے پَر جاتے رہے لیکن جب تُو مجھے نوازے تو آسمان اور پہاڑ بھی میرے سامنے ہیچ ہیں۔ میں اگرچہ مچھر جتنا ہو جاؤں، نمرود کی سلطنت کو زیروزبر کردوں۔ کمزوری میں ابابیل جیسا ہوں مگر ہاتھیوں کے لشکر کو تباہ کردوں۔ موسیٰ علیہ السلام جنگ میں ایک لاٹھی لے کر گئے تو فرعون کو ختم کردیا۔

اللہ نے فرمایا: اے احمد صلی اللہ علیہ وسلم! زمین کیا ہے تُو چاند کو دیکھ اور اُسے چیر دے۔ تیرا دَور سب زمانوں سے اعلیٰ ہے۔ اسی لیے موسیٰ علیہ السلام نے اِس دَور میں مقیم ہونے کی آرزو کی۔ اُنہوں نے کہا: اے خدا! یہ کیسا دَور ہے اس میں تو تیری رحمت سے دیدار ہوتا ہے۔ خدا نے کہا: اے کلیم! میں کریم ہوں۔ میں بندہ کو روٹی دکھا دیتا ہوں کہ اُس کے لالچ میں روئے۔ میں رحمت کا ایک چُھپا ہوا خزانہ تھا تو میں نے ایک ہدایت یافتہ اُمت پیدا کی۔ جن عطاؤں کو تُو چاہتا ہے، وہ اُس نے تجھے احمد صلی اللہ علیہ وسلم میں دکھا دیں۔ شکر کر تیرا سر بتوں کو سجدے کرنے سے بچ گیا۔ اگر تُو اِس کا شکر ادا کرنا چاہتا ہے تو کرتا کہ اپنے اندرونی بُت سے بھی چھٹکارا حاصل کرلے۔ تُو نے باپ سے سَستی میراث پالی تھی اور وراثت پانے والا انسان مال کی قدر کیا جانے؟ جب میں رُلاتا ہوں' میری رحمت جوش مارتی ہے اور رونے والا سُن لیتا ہے کہ "میں رحمت ہوں" میری رحمت خوب رونے پر موقوف ہے، اُس کے بعد رحمت کے دریا سے موج اُٹھتی ہے۔ بچہ نہ روئے تو دودھ کب جوش مارتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اِلہام سے شیخ احمد خضرویہ رحمۃ اللہ علیہ کا قرض خواہوں کے لئے حلوہ خریدنا

شیخ احمد رحمۃ اللہ علیہ اپنی سخاوت کی وجہ سے ہمیشہ قرض دار رہتے۔ وہ مالداروں سے قرض لیتے اور فقیروں پر خرچ کردیتے۔ خدا کے عاشقوں کی خدمت اُن کا کام تھا۔ اللہ اُن کا قرض کہیں نہ کہیں سے اُتار دیتا۔ جیسا کہ ایک مرتبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے خادم کو مہمانوں کی تواضع کے لیے گیہوں قرض لینے بھیجا، اُسے قرض نہ ملا، شرمندگی سے بچنے کے لیے اونٹ پر ریت لاد لایا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: گیہوں کی بجائے آٹا لے آئے ہو۔ خادم نے دیکھا تو واقعی آٹا ہی تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بازاروں میں اللہ نے دو فرشتے چھوڑ رکھے ہیں' جو ہر وقت دُعا کرتے ہیں کہ اے خدا! تُو خرچ کرنے والوں کو اور دے اور بخیلوں کو ہلاک کردے، خاص طور پر وہ خرچ کرنے والا جس نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی طرح اپنی جان خرچ کرنے کے لیے پیش کردی۔ اِسی لیے اللہ سے شہیدوں کو ہمیشہ باقی رہنے والی جان دے دی جاتی ہے جو ہمیشہ رنج و غم سے محفوظ رہتی ہے۔ تُو اِن لوگوں کے خاکی قالب کو کافروں کی طرح نہ دیکھ۔

اُو ز غولاں گمرہ و در چاہ شُد	ہر کہ اُو بے مُرشدے در راہ شُد
وہ شیطانوں کی وجہ سے گمراہ اور ہلاک ہوا	جو شخص بغیر پیر کے راستہ پر چلا

مرنے کے دن تک شیخ اپنا کام کرتے رہے۔ موت کا وقت قریب آ گیا تو قرض خواہ اُن کے اردگرد جمع ہو گئے۔ وہ نا اُمید اور سخت غصے میں تھے۔ شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ان بدگمانوں کو دیکھو کیا میرے اللہ کے پاس چار سو اشرفیاں نہیں ہیں؟ اتنے میں ایک حلوہ بیچنے والا لڑکا آیا۔ شیخ نے خادم کو اشارہ کیا کہ سارا حلوہ لے آؤ، وہ لے آیا تو شیخ نے اشارہ کیا کہ یہ عطا ہے، تبرک سمجھ کر سب کھاؤ۔ طباق خالی ہو گیا تو لڑکے نے قیمت مانگی۔ شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میں کہاں سے دوں؟ میں پہلے ہی مقروض ہوں اور عدم کی طرف جا رہا ہوں۔ یہ سُن کر لڑکے نے آہ و زاری شروع کر دی اور شیخ کو بُرا بھلا کہنا شروع کر دیا، تو بہت سے لوگ جمع ہو گئے۔ لڑکا کہتا تھا کہ میرا اُستاد مجھے مار ڈالے گا۔ قرض خواہ شیخ سے کہنے لگے کہ یہ کیا تماشا ہے۔ ہمارے ساتھ اس بچے کو بھی پھنسا لیا۔ روتے چلاتے عصر کے وقت تک بچہ پریشان رہا۔ شیخ نے اپنا منہ لحاف میں چُھپا لیا۔ اُن کو خلوق کی بدمزاجی سے کوئی تعلق نہ تھا، جیسے چاند کو کتوں کے بھونکنے کا کیا خوف؟ تنکے کی وجہ سے پانی اپنی صفائی نہیں چھوڑتا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم آدھی رات کو چاند شق کر رہے ہیں، ابولہب اپنی بکواس کر رہا ہے۔ غرض نیک لوگ اپنی نیکی نہیں روکتے۔ بچے کو چندہ کر کے پیسے ادا کیے جا سکتے تھے، لیکن شیخ نے باطنی توجہ سے اس سخاوت کو روک دیا اور کہا کہ کوئی اِسے کچھ نہ دے۔ عصر کی نماز ختم ہوئی تو ایک شخص ایک طباق لیے ہوئے آیا۔ کسی صاحبِ حال مالدار نے پیر کی خدمت میں ہدیہ بھیجا تھا۔ طباق کھولا تو لوگوں نے بزرگ کی کرامت دیکھی اور حیران ہو گئے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ عوام بزرگوں کی بات کی تہ تک نہیں پہنچ پاتے اور اپنے قیاس سے اٹکل پچو باتیں بنا لیتے ہیں۔ شیخ نے فرمایا: تمہاری سب گفتگو اور جھگڑا میں نے معاف کیا۔ اِس کا راز یہ تھا کہ میں نے اللہ سے درخواست کی۔ اللہ نے فرمایا: اگرچہ تھوڑے دینار ہیں لیکن بچے کے رونے پر موقوف ہے۔ بچہ درد سے رویا۔ بخشش کا دریا جوش میں آ گیا۔ اے بھائی! اپنے مقصد کا حصول دل کے رونے پر موقوف ہے۔ گڑگڑائے بغیر کامیابی مشکل ہے۔ اگر تُو چاہتا ہے کہ تیری مشکل حل ہو جائے تو اپنی آنکھ کے بچے کو اپنے جسم کی ضرورت کے لیے رُلا۔

ایک شخص کا ایک زاہد کو ڈرانا کہ کم رویا کر، کہیں تُو اندھا نہ ہو جائے

کسی نے ایک زاہد سے کہا کہ اتنا نہ رویا کر، کہیں تیری آنکھوں کو نقصان نہ پہنچے۔ زاہد بولا: دو کام ہی ہو سکتے ہیں۔ یا تو اُس حُسنِ ازلی کو یہ آنکھیں دیکھیں گی یا نہیں دیکھیں گی۔ اگر دیکھ لیں گی، تو پھر کاہے کا غم؟ اور اگر نہ دیکھ سکیں تو پھر ایسی آنکھوں کا برباد ہو جانا ہی بہتر ہے۔ آنکھوں کی بربادی کا رنج نہ

سایۂ رہبر بہ است از ذکرِ حق
کسی رہبر کا سایہ، حق کے ذکر سے بہتر ہوتا ہے

یک قناعت بہ کہ صد لوت و طبق
سینکڑوں کھانوں اور طباقوں سے قناعت بہتر ہوتی ہے

کر۔ وہ خدا جو مُردوں کو زندہ کر دیتا ہے، کیا وہ آنکھیں نہیں بخش سکتا؟ خدا سے جسم کی زندگی کا طالب نہ بن۔ جسم تو رُوح کا خیمہ ہے یا نوح علیہ السلام کی کشتی ہے۔ تم اُس کے وفادار سپاہی بنو۔ تمہارا بندوبست وہ خود کرے گا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دُعا سے ہڈیوں کے زندہ ہو جانے کے قصّہ کی تکمیل

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ بے وقوف ساتھی نصیحت قبول نہیں کر رہا اور سمجھتا ہے کہ میں بُخل کی وجہ سے اسمِ اعظم نہیں پڑھ رہا تو اُنہوں نے اسمِ اعظم پڑھ دیا۔ اللہ کے حکم سے اور اُس احمق کے انجام کے لیے اچانک ایک کالا شیر کودا۔ اُس نے پنجہ مارا، اُسے اُدھیڑ دیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پوچھا کہ تُو نے اِس قدر جلدی اُس کی سرکوبی کیوں کی؟ اُس نے جواب دیا: اِس لیے کہ اُس نے آپ علیہ السلام کو پریشان کیا۔ اُنہوں نے پوچھا: تُو نے اُس کا خون کیوں نہ پیا؟ وہ بولا: میں اپنی مقدر بھر روزی کھا کر طبعی موت مرتا، اِس لیے اُسے نہیں کھا سکتا۔ اِس دُنیا سے بہت سے لوگ اپنا شکار کھائے بغیر ہی چلے گئے۔ وہ حرص کی وجہ سے اپنے لیے جمع کرتے رہے لیکن بغیر کھائے قبر میں چلے گئے۔ اُن کے مرنے پر لوگوں نے جشن منایا کہ اللہ نے اُن کی زندگی آسان کر دی۔ شیر نے کہا: اے مسیحا! یہ شکار تو عبرت کے لیے تھا کہ لوگ بزرگوں کو لاحاصل سوال کر کے پریشان نہ کریں۔

اُس بے وقوف کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسی ہستی کی صحبت میسر آئی جو کہ نہایت صاف پانی کی طرح تھی۔ اُسے اُن کے ذریعے اپنی رُوح کی پاکیزگی کا سامان کرنا چاہیے تھا لیکن اُس نے گدھے کی طرح اُس پانی میں پیشاب کر دیا۔ اُسے تو چاہیے تھا کہ کہتا: اے آبِ حیات کے چشمے! مجھے ابدی زندگی عطا کر۔ خبردار! حدیث میں آیا ہے کہ تیرا سب سے بڑا دشمن تیرا وہ نفس ہے جو تیرے دونوں پہلوؤں کے درمیان ہے۔ اپنی رُوح کو اِس جسم کی ہڈیوں اور خون کے مجموعے کے شر سے بچا۔ اگر تمہاری نگاہ میں چھلکے اور مغز میں کوئی فرق نہیں ہے تو تمہاری آنکھیں بے کار ہیں، اِمتحان کے وقت رُسوا ہو جائیں گی۔ اگر انسان لذائذِ جسمانی اور اُخروی نعمتوں میں فرق نہیں کر سکتا تو قابلِ معافی نہیں ہے۔ یہ تو اندھا پن ہے۔ تُو دوسروں پر روتا ہے کچھ عرصہ بیٹھ اور اپنے آپ پر رو۔ رونے والے ابر، تروتازہ شاخ کے پیدا ہونے کا سبب بنتے ہیں۔ اپنے مصائب پر رونے سے رُوح کو فروغ ہوتا ہے۔ فانی چیزوں کے لیے نہ رو۔ بقا کی کان میں سے لعل حاصل کر۔ فانی چیزوں پر دیکھا دیکھی رونے کو پُرخلوص رونے سے ختم کر دو۔ جب تک حال حاصل نہ ہو قال بے کار شے ہوتی ہے۔ بے عمل واعظ کی مثال نہر کے پانی کی اور بانسری کی ہے۔ نہر پانی سے خود کوئی فائدہ نہیں اُٹھاتی۔ اِسی طرح سوز، بانسری کے دل میں نہیں ہے، بجانے والے کے دل میں ہے۔ جو رونا دل کی چوٹ کی وجہ سے نہ ہو وہ تو نوحہ گروں

رحمتِ جُزوی بُوَد مر عام را
عام اِنسانوں میں جُزوی رحمت ہوتی ہے

رحمتِ کُلّی بُوَد ھمّام را
لیکن غمخوار (شیخ کامل) میں کُلّی رحمت ہوتی ہے

کی طرح ہے کہ جو اُجرت پر روتے ہیں۔

عشق کی چوٹ کا کچھ دل پہ اثر ہو تو سہی
دَرد کم ہو یا زیادہ ہو مگر ہو تو سہی (حضرت مقسم شاہ ﷫)

حضرت داوٗد علیہ السلام کی آواز کا سوز، انسانوں کے علاوہ حیوانات کو بھی وَجد کی حالت میں لے آتا تھا۔ روٹی کے لیے اللہ اللہ نہ کر، لالچ کے بغیر ایسا کر، قرآن میں فرمایا گیا ہے اُن لوگوں کی مثال جو تورات کے حامل بنائے گئے ایسی ہے کہ گدھے پر کتابیں لدی ہوں کیونکہ اُنہوں نے عمل نہ کیا۔ اگر ظاہری عبادت کرنے والے کے ہونٹ کی بات دل پر چمکتی تو اُس کا جسم ذرّہ ذرّہ ہو جاتا۔

ایک دیہاتی کا شیر کو سہلانا، اِس خیال سے کہ وہ گائے ہے

ایک دیہاتی نے اپنی گائے کو باندھا۔ شیر نے اُس کی گائے کھالی اور اُس کی جگہ بیٹھ گیا۔ رات کے وقت دیہاتی گائے کے دھوکے میں شیر کو سہلاتا رہا۔ شیر نے دل میں کہا: اگر روشنی تیز ہوتی تو ڈر کے مارے اِس کا دل خون بنجاتا کیونکہ اب وہ مجھے اپنی گائے ہی سمجھ رہا ہے اِس لیے نڈر ہے۔ ناواقفیت کی وجہ سے دیہاتی شیر کو نہ پہچان سکا، اسی طرح اللہ تعالیٰ کی کماحقّہٗ معرفت نہ ہونے کی وجہ سے انسان اُس کے نام کا متحمل ہو جاتا ہے ورنہ طور کی طرح اِس کا جسم بھی پارہ پارہ ہو جائے۔ قرآن میں ہے کہ اگر ہم اِس قرآن کو پہاڑ پر نازل کرتے تو تم دیکھتے کہ وہ خدا کے خوف سے پھٹ جاتا۔ چونکہ یہ دین ہمیں موروثی طور پر مل گیا ہے ہم تقلید کی وجہ سے اِس کی قدر نہیں کرتے۔ غور وفکر کی بجائے اِس کو رٹنا بہت مضرّ ہے۔ سُنی سُنائی پر یقین رکھنے والے کا قصہ سُن۔

سماع کی خاطر صوفیوں کا ایک مسافر صوفی کی سواری کو بیچ ڈالنا

ایک صوفی سفر کے دوران ایک خانقاہ میں پہنچا۔ سواری کو اصطبل میں باندھ دیا اور اپنے ہاتھ سے اُسے پانی اور چارہ دیا اور پوری احتیاط کی، لیکن جب قضا آتی ہے تو احتیاط سے کیا فائدہ۔ دوسرے صوفیوں نے اُس کا گدھا بیچ ڈالا۔ مزے دار کھانا لائے کیونکہ کہتے ہیں ضرورت کے وقت مُردار کھانا بھی جائز ہو جاتا ہے۔ غُل مچ گیا کہ آج لذیذ کھانا ہوگا اور سماع و مستی ہوگی، کیونکہ تین دن سے بھوکے ہیں' کہاں تک بھیک پر گزارہ کریں؟ اُنہوں نے نفسِ امّارہ کو رُوح سمجھ کر اس کی پرورش شروع کردی۔ اُنہوں نے مہمانِ خصوصی کی خوب خاطر مدارت کرنی شروع کردی۔ اُس نے بھی بجائے آرام کرنے کے اُن کے عیش وطرب میں شامل ہونے کا فیصلہ کیا۔ سماع

رحمتِ جُزوی بکُل پیوستہ شو	رحمتِ کُل را تو ہادی بین و رو
تُو رحمتِ جُزوی ہے، کُل کے ساتھ پیوستہ ہو جا	کامل شیخ کو تُو رحمتِ کُل سمجھ اور بس چل پڑ

شروع ہوا۔ خوب کھانا ہوا۔ لیکن حقیقی صوفی کسی حالت میں بھی بسیار خور نہیں ہوتا۔ کئی بناوٹی صوفی، حقیقی صوفیوں کی بدولت کھا کما لیتے ہیں۔ بطورِ تقلید وہ صوفی بھی اُن کے جوش و خروش میں شامل رہا۔

جب کھانا پینا، جوش اور سماع ختم ہوئے تو صبح کے وقت سب رخصت ہو گئے۔ صوفی نے بھی اپنا سامان اکٹھا کیا۔ اصطبل میں گیا تو گدھے کو نہ پایا۔ اُس نے خادم سے پوچھا گدھا کہاں ہے؟ میں نے اُسے تیرے سُپرد کیا تھا۔ ابھی تُجھے قاضی کے پاس لے کر جاتا ہوں۔ خادم بولا: صوفیوں نے حملہ کر دیا، میں مجبور تھا، میں کیا کرتا؟ صوفی نے پوچھا: تُو نے اُس وقت مجھے کیوں نہ بتایا؟ میں اُن سے گدھا لیتا یا اُس کی قیمت وصول کرتا۔ اب وہ سب جا چکے ہیں، کس کو پکڑوں؟ تُو نے کیوں نہ مجھے آ کر اِس سے آگاہ کیا؟ خادم بولا: میں کئی مرتبہ یہ بتانے کے لیے آیا لیکن تُو بھی قوالوں کے ساتھ مل کر بڑے ذوق سے ''گدھا چلا گیا'' ''گدھا چلا گیا'' کا شور مچا رہا تھا۔ میں سمجھا کہ تمہیں معلوم ہے۔ تُو عارف انسان ہے۔ سب کچھ جانتے ہوئے ایسا کر رہا ہے۔ وہ صوفی بولا: سب یہی گا رہے تھے۔ میں بھی اُسی ذوق میں یہی گانے لگا۔ ہائے! بیہودہ لوگوں کی تقلید نے مجھے تباہ کر دیا، جنہوں نے روٹی کی خاطر ذوق کا مظاہرہ کیا۔ ایسی تقلید پر لعنت ہو۔

اچھے دوستوں یعنی مُرشد کی تقلید کرنی چاہیے۔ مُرشدِ کامل کی تقلید کا عکس مرید پر پڑتا ہے تو سالِک کو کمال حاصل ہوتا ہے۔ پھر مُقلِد محقق بن جاتا ہے۔ شیخ سے منقطع ہونے سے تربیت نہیں ہو سکتی۔ شیخ سے فائدہ حاصل کرنے کے لیے بُرے اخلاق کا ترک ضروری ہے۔ مجھے مزیدار کھانے کے لالچ اور سماع کے ذوق کے لالچ نے دھوکے میں رکھا۔ لالچ بُرا ہے۔ اگر وہ آئینہ (دل) میں بھی پیدا ہو جائے تو نفاق آئینے کو مُکَدّر کر دیتا ہے۔ ترازو ہمیشہ سچ بتاتی ہے، کہتی ہے کہ لالچ سے تُو قارون کی طرح امیر بن جائے گا لیکن آخر قبرستان میں جائے گا۔ ترازو کی طرح ہر نبی بھی حقیقت ظاہر کر دیتا ہے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنی ساری دولت حضور ﷺ پر قربان کر دی کیونکہ وہ یار کے دیدار کے طالب ہوئے۔ لالچ میں پڑ کر انسان کسی نصیحت کو قبول نہیں کرتا۔ مال و جاہ کا لالچ انسان کو بے بصیرت بنا دیتا ہے۔ مےِ حق کا مَست آزاد ہوتا ہے۔ حدیث ہے ''دنیا مُردار ہے، اِس کے طلب گار کتے ہیں۔''

قاضی کے اعلانچیوں کی شہر کے چاروں طرف ایک مُفلس کی تشہیر کرنا

ایک خانہ خراب شخص قید میں تھا۔ خواہ مخواہ قیدیوں کا کھانا کھا جاتا۔ قید خانے کے سب لوگ اُس کے لالچ کی وجہ سے پریشان تھے۔ جو شخص رحمان کی رحمت سے دُور ہو، چاہے

صحتِ ایں حس بجوئید از طبیب
جسمانی حس کی تندرستی طبیب سے معلوم کرو

صحتِ آں حس بجوئید از حبیب
اور اُس حس کی تندرستی محبوب سے معلوم کرو

بادشاہ ہو، نظر کا بھکاری ہے۔ اِس دُنیا کا کوئی گوشہ درندے اور چرندے کے بغیر نہیں ہے۔ حق کی خلوت گاہ کے بغیر کہیں راحت نہیں ہے۔ دُنیا بھی قید خانہ ہے۔ محنت و مُشقت اور فکر و غم سے بچنا محال ہے۔ ہاں اچھے خیالات واحد سہارا ہیں۔ بُرے خیالات انسان کو موم کی طرح پگھلا دیتے ہیں۔ انسان اچھے خیالات کی بِنا پر دشمنوں میں بھی راحت سے زندگی گزار سکتا ہے۔ اچھے خیالات دشمنوں کو دوست بنا دیتے ہیں۔

صبر بڑی قیمتی دولت ہے۔ حدیث میں ہے کہ ''صبر ایمان کا حصہ ہے۔'' خیالات جس طرح اثرات کے اِعتبار سے مختلف ہیں اسی طرح اپنی ذات کے بارے میں بھی مختلف ہیں۔ ایک ہی انسان کے بارے میں ہمارا خیال ہوتا ہے کہ ڈسنے والا سانپ ہے لیکن کوئی دوسرا اُسے اپنا دوست خیال کرتا ہے۔ سانپ سمجھنے والے کی نظر میں اُس کی بُرائیاں ہیں، دوست سمجھنے والے کے خیال میں اُس کی بھلائیاں ہیں۔ ہر شخص میں کچھ بُرے یا بھلے اخلاق ہوتے ہیں۔ سو ہمیشہ کسی کے اچھے اخلاق پر نگاہ رکھنی چاہیے۔ حضرت یوسف علیہ السلام باپ کے نورِ نظر تھے لیکن بھائیوں کی نظر میں بُرے تھے۔ جسم کی آنکھ دل کی آنکھ کی تابع ہے۔ دل کی آنکھ کا تعلق رُوح سے ہے، جس کا مسکن عالَمِ بالا ہے۔ اِس لیے انسان کو عالَمِ اَرواح کے کاروبار میں لگنا چاہیے۔ انسان مکانی ہے لیکن اُس کی اصل لامکانی ہے۔ اِس لیے اُسے چاہیے کہ یہ دُکان بند کر دے اور وہ کھول لے۔

قیدیوں کا اُس مفلس قیدی کی قاضی کے وکیل سے شکایت کرنا

دوسرے قیدیوں نے قاضی کے وکیل سے شکایت کی کہ یہ قیدی بہت تکلیف دہ ہے۔ یہ سب کی روٹی کھا جاتا ہے۔ آپ حکم دیں کہ یہ قید خانہ سے چلا جائے۔ قاضی تک شکایت پہنچی تو قاضی نے اُسے کہا کہ تو اپنے موروثی گھر کی طرف چلا جا۔ قیدی بولا: مجھ پر اِحسان کر، میری جنت تو تیرا قید خانہ ہے۔ مجھے یہاں سے نکالو گے تو میں بھوک سے مر جاؤں گا۔ وہ شیطان کی طرح کہتا تھا۔ میں اِس دُنیا کے قید خانے میں خوش ہوں تاکہ اپنے دشمن (آدم علیہ السلام) کی اولاد کو ہلاک کروں، لوگوں کی روٹی دھوکے سے چھین لوں، کبھی اُنہیں افلاس سے ڈراؤں، کبھی بے حیائی کی طرف لے جاؤں۔

سُن لو! اِس دُنیا کے قید خانے میں مومن اور شیطان کی وہی صورت ہے جو دوسرے قیدیوں کی اور اُس پیٹو قیدی کی تھی۔ عبادات سے جو بھی نیکی حاصل ہوتی ہے شیطان اُسے اُڑانے کی کوشش میں ہے۔ وہ ایک ہے لیکن اُس کی اولاد بہت ہے، کیونکہ شیطانی اثر سے انسان بھی شیطان بن جاتے ہیں۔ ہر وہ چیز جو انسان کو عبادت سے باز رکھے اُسے

صحتِ ایں حس زِ معموریٔ تن
اِس حس کی تندرستی بدن کی تندرستی سے ہے

صحتِ آں حس زِ تخریبِ بدن
اور اُس حس کی تندرستی بدن کی شکستگی سے ہے

شیطانی اثر سمجھو۔ شیطان کی تباہ کاری کے لیے اُس کا مجسّم ہو کر سامنے آنا ضروری نہیں ہے۔ وہ انسانی خیالات میں شیطنیت مِلا دیتا ہے۔ انسان کی تباہی اُس کے فاسد خیالات کی وجہ سے ہوتی ہے جو کہ کشادگی، دُکان، علم، گھر، پیشے، عہدے، زَر، اولاد، بیوی یا کوئی اور بکواسی خیالات ہیں، جو حضوری کے راستے میں حائل ہو جاتے ہیں۔ خبردار! اِن خیالات کو سَر سے نکال دے۔ ہر وقت لَاحَوْلَ پڑھتا رہ، زبان سے نہیں دل سے۔ اگر مفلس کا افلاس ثابت ہو جائے تو اُسے قید میں رکھنے کا کوئی جواز نہیں۔ قاضی نے کہا کہ اُس مفلس کو شہر بھر میں گھماؤ اور اُس کی مفلسی کا یقین کر لو۔ ہمارے خدا نے شیطان کی مفلسی کا قرآن میں اعلان فرما دیا ہے کہ کوئی اُس کا مددگار یا سفارش کرنے والا نہ بنے۔

انسان کو خدا نے دُنیا کے قید خانے میں اس لیے مقید کیا ہے کہ عملِ صالح سے اُس کا افلاس یا مالداری ثابت کی جا سکے۔ اللہ نے شیطان کی مفلسی کا اعلان اسی لیے کیا کہ کوئی اُس کے ساتھ کسی قسم کا معاملہ نہ کرے اور اُس سے بچ جائے۔ یہ دغاباز ہے بے وفا ہے۔ یہ بظاہر شرافت کا لبادہ بھی اوڑھ لیتا ہے لیکن ہمیشہ لُوٹتا ہے، لالچ میں نہ پڑ، اس سے بچ جانے کے لیے اللہ سے مدد طلب کر۔ یاد رکھو! تمام تاثرات اللہ کی اجازت پر ہی موقوف ہیں۔ آنکھ، کان وغیرہ اپنا کام جب کرتے ہیں جب خدا چاہتا ہے۔ قیامت کے دن سب کچھ اصل حالت میں عیاں ہو جائے گا۔

حدیث میں ہے کہ خدا نے ہر بیماری کا علاج پیدا فرمایا ہے۔ لہٰذا حق و باطل میں اِمتیاز نہ کر سکنے کے مرض کی بھی دوا ضرور ہے اور وہ بھی اللہ کی تائید سے ہی حاصل ہو سکتی ہے، بشرطیکہ ہم دردِ دل کے ساتھ اُس سے طلب کریں۔ اپنے علاج کے لیے عالَمِ ملکوت کی طرف دھیان رکھو۔ اللہ نیست سے ہَست کرتا ہے اِس لیے اپنے آپ کو نیست بنا لے۔ اللہ ہی انسان کو ایسی دُعا کی توفیق عطا فرماتا ہے جس کو وہ قبول کرتا ہے۔ اُس کی غفاریت سے دل کو اطمینان ہے اور قہاریت سے ڈرنا چاہیے۔ اللہ اگر راضی ہو جائے تو سَیِّات کو حسنات میں بدل دیتا ہے۔ جب وہ پانی اور مٹی سے اَشرفُ المخلوقات بنا دیتا ہے تو بُرائیوں کو بھلائیوں میں تبدیل کرنا اُس کے لیے کیا مشکل ہے۔ اُس نے معمولی آب و گِل میں یہ نسبتیں پیدا فرما دیں اور اُس کو ایسا ذِی حِس بنا دیا کہ غم و شادی کے جذبات اُس میں پیدا کر دیئے۔ پھر انہی انسانوں میں سے بعض کو بے نیاز کر کے اپنا بنا لیا۔

وہ سب چیزیں جو ہمیں اللہ سے غافل کر دیں دُنیا ہیں۔ اُس کا عشق اِختیار کر، وہ ظاہر ہے اور معشوق پوشیدہ ہے۔ دُنیا کی چیزوں کے عشق سے پرہیز کر کیونکہ وہ فانی ہیں۔ معشوقِ حقیقی سے عشق کر۔ صورت سے عشق نہ کر، صورت گر سے کر کیونکہ صورت فانی لیکن صورت گر باقی ہے۔ صورت کا اِدراک حواس سے ہوتا ہے۔ اگر صورت ہی معشوق ہے تو

ہیں گریز از جوقِ اکّالِ غلیظ
خبردار! زیادہ کھانے والوں کی جماعت سے بھاگ کر

سُوئے اُو کہ گفت ہستیمت حفیظ
اللہ کی طرف جا، جو تمہاری حفاظت کا ضامن ہے

جانوروں کو بھی صورت سے عشق ہونا چاہیے کیونکہ صورت کو تو وہ بھی دیکھتے ہیں، لیکن اُن میں عشق نہیں ہے۔ ہاں معشوق کی وفا سے عشق میں اِضافہ ہوتا ہے۔ یاد رکھ! اللہ تعالیٰ ہی اصل جمال ہے اور ممکنات پر تو اُس کا پَر تو ہی پڑتا ہے۔ بعض لوگ مجازی معشوق کو معشوقِ حقیقی کا مظہر قرار دے کر اُس سے عشق کرتے ہیں اور اپنے آپ کو صورت پرستوں سے افضل سمجھنے لگتے ہیں۔ یہ محض عقلی ڈھکوسلے ہیں۔ یاد رکھو! عقلی دلائل سے حقیقت نہیں بدلتی۔ حسین معشوق بھی بڑھاپے میں بدصورت بن جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے جمال کو آہستہ آہستہ اُن کے جسموں سے واپس لے لیتا ہے۔ قرآن میں اللہ فرماتا ہے: ''اور جس کو ہم بڑی عمر دیتے ہیں اُس کو بناوٹ میں گھٹاتے ہیں۔''

اصل بات انسان کی خود پسندی کے مِٹ جانے پر ظاہر ہوتی ہے۔ اُس وقت تمام ممکنات میں اُس کو وجودِ واحد ہی نظر آنے لگتا ہے۔ ذاتِ خداوندی کو صرف مجاہدات کے ذریعے ہی پہچانا جاسکتا ہے۔ اصل تو وہ ہوتی ہے جو تیری خودی کو ختم کردے اور تجھے صورت سے بے نیاز کردے۔ اِس لیے صاحبِ بصیرت کو اصلی مقصود کے درپے ہونا چاہیے، فروعات میں نہیں پھنسنا چاہیے۔ جب مقصود حاصل ہوجاتا ہے تو اُس کے لوازمات خود بخود مہیا ہوجاتے ہیں۔ ایک چیز، ایک چیز کے اِعتبار سے مقصود بالذات ہوتی ہے اور دوسری چیز کے اِعتبار سے وہ اصلی مقصد نہیں ہوتی۔ گدھا، پالان کے اِعتبار سے مقصود ہے لیکن کمائی کے اِعتبار سے اصل مقصد نہیں ہے، بلکہ گدھے سے کما کر کھانا اصلی مقصد ہوتا ہے۔ اِس لیے اصل مقصد سے ہی سروکار رکھنا چاہیے اور اگر گدھا بھی نہ ہو تو منزل کی طرف پیدل چل پڑنا چاہیے۔

نَفسِ امّارہ کی حیلہ جوئی کی وجہ سے مجاہدات سے باز نہ رہنا چاہیے کیونکہ انسان کو ہر حال میں اپنا فریضۂ عبادت تو بجالانا ہی ہے۔ اِس لیے کہ بغیر عمل کے کوئی پھل نہیں ملتا۔ ''کسی نے نہ کاٹا، جب تک کہ کچھ بویا نہیں'' ہاں بعض حالات میں خصوصی رحمت ہوجاتی ہے۔ جس غیبی خزانے کے لالچ میں تُو پڑا ہے، کما کر کھانا اُس میں کب مانع ہے؟ اگر خصوصی رحمت سے کچھ ملنا ہے تو وہ خود ہی مل جائے گا۔ یاد رکھو! اگر مگر میں پھنسنا عمل میں مانع بنتا ہے اور اُس سے سوائے افسوس کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اگر مگر میں پھنسنا یقین کے منافی ہے اور یقین ہی عین ایمان ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ''اگر مگر کا خیال شیطانی کام کا دروازہ کھولتا ہے''۔ بہت سے انسان ''شاید کہ ہو'' اور ''اگر'' میں مرگئے اور آخرت کے درخت کا پھل نہ چکھ سکے۔ اِس مفہوم کی وضاحت کے لیے قِصّہ سُن۔

یا بسُوئے آنکہ اُو ایں حفظ یافت
اگر تم براہِ راست اللہ سے رابطے میں نہیں ہو تو

گر نتانی سُوئے آں حافظ شتافت
پھر کسی خُدا رسیدہ شیخ کو واسطہ بنا لو

اِس شعر کے معنیٰ سے متعلق قصّہ، انہوں نے "اگر" اور "مگر" کی شادی کردی اور اُس میں سے "کاش کہ" نامی بچّہ پیدا ہوا ایک مسافر رہنے کے لیے گھر تلاش کر رہا تھا۔ ایک دوست اُسے ایک گرے ہوئے گھر کے پاس لے گیا۔ دوست نے کہا کہ اگر اس کی چھت ہوتی، اگر اس میں کمرہ بنا ہوا ہوتا، تو یہ گھر آباد ہوتا تو تیرا اور ہمارا گھر خوب آباد ہوتے۔ ہم کو پڑوس کی وجہ سے آرام ملتا۔ مسافر بولا: اے بھائی! کاش کہ یہ گھر آباد ہوتا، لیکن اب تو اس میں سکونت نہیں کی جاسکتی۔ اگر مگر کے خیالی مکان میں رہائش نہیں ہوسکتی۔

سب یہ چاہتے ہیں کہ آخرت کی کامیابی حاصل ہو لیکن شیطان اُن کو اللہ کی راہ سے اگر مگر کے چکر میں روک دیتا ہے اور بعد میں وہ حسرت میں جلتے ہیں۔ ہر انسان نیک عمل چاہتا ہے لیکن شیطان کی مُلمّع سازی سے وہ پہچان نہیں سکتا۔ وہ اُس کے بُرے اعمال و خیالات اور نفس کی شرارتوں کو مزین کر کے دکھا دیتا ہے۔ اگر کوئی ایسا صاحبِ باطن ہو کہ خود اس فریب کو سمجھ سکے اور نیکی و بدی میں اِمتیاز کر کے عمل کرے تو ٹھیک ورنہ اپنے آپ کو کسی شیخِ کامل کے سپرد کر دے تاکہ شیطانی اور رحمانی خیالات و اعمال میں فرق کر سکے۔ بُرے اور بھلے میں تمیز صرف نورِ فراست سے ہی ہوسکتی ہے۔ اگر یہ کسوٹی تمہارے پاس نہیں ہے تو تنہا آگے نہ بڑھ کیونکہ نفس، چھلاوے کی صورت، بقا کے راستے کے سفر سے تمہیں دُور کرنے کی تگ و دو کرتا ہے۔ یہ چھلاوے کی آواز انسان کے اندرونی جذبات ہیں، جو مال و جاہ اور جھوٹی عزت سے متعلق ہوتے ہیں۔ اصل کو فانی چیز سے جدا کر لینے کی اِستعداد پیدا کرتا کہ نفس کے دھوکے سے بچا رہے۔

صبر و استقلال دل کی آنکھ کھول دیتا ہے اور جب قلب کی آنکھ کھل جائے گی تو اصل حقیقت خود بخود واضح ہو جائے گی۔ پھر تُو ایسا سمندر بن جائے گا جس میں موتی پیدا ہوتے ہیں اور عالمِ بالا کی سَیر کرنے لگے گا۔ ہر مصنوع، صانع کے وجود پر اِستدلال کرتا ہے، اِس لیے اللہ کو مصنوعات و مخلوقات میں دیکھا جاسکتا ہے۔ اللہ کی صنعت اُس کے لیے پردہ پوش ہے، تو اب اُس کو کارگاہِ عالم ہی میں دیکھا جاسکتا ہے۔ کاریگر کارخانے میں ہوتا ہے، اُس کو باہر تلاش کرنا بے وقوفی ہے۔ اِس کارخانہ، قدرت میں کام اور کاریگر کو اکٹھا دیکھ۔ جو اپنے وجود میں محو ہو وہ یہ کارخانہ نہیں دیکھ سکتا۔ اپنی ہستی کو فنا کرنے کے بعد ہی وجودِ واحد کا (جو کہ باقی ہے) مُشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ فرعون اپنی ہستی کی طرف متوجہ تھا، اس لیے کارگاہِ عدم سے اندھا تھا۔ اُس کی اِن حرکتوں پر خدا کا فیصلہ زیرِ لب مسکراتا تھا۔ اُس نے اپنی خودی میں بنی اسرائیل کو ختم کرنے کے سب جتن کیے لیکن قدرت نے اُس کی تباہی کا سامان اُس کے گھر میں سے ہی مہیا فرما دیا۔ موسیٰ علیہ السلام اُس

خود شناسی کار باشد اے فلاں
اے فلاں خود کی پہچان اصل کام ہے

کارِ دیگر ہیچ و پوچ و ہیچ داں
باقی سب کام بالکل فضول ہیں

کے گھر میں ہی پرورش پاتے رہے۔ نفس جو ہمیشہ اپنی تن پروری کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور دوسروں پر دشمنی کا گمان کرتا رہتا ہے، اُس کی مثال فرعون جیسی ہی ہے۔ انسان کا جسم اُس کا فرعون ہے۔ وہ باہر بھاگا پھرتا ہے کہ دشمن کہاں ہے؟ اور نفس، جسم کے گھر میں نازوں میں پل رہا ہے۔

لوگوں کا ایک شخص کو ملامت کرنا، جس نے اپنی ماں کو تہمت کی وجہ سے قتل کر ڈالا

ایک شخص نے اپنی ماں کو مار ڈالا۔ لوگوں نے پوچھا: اے کمبخت! تُو نے ماں کا حق بھی نہ پہچانا؟ اُسے قتل کر دیا۔ اِس نے جواب دیا کہ اب مئی اُس کی پردہ پوش ہوگئی ہے۔ اِس نے کہا: وہ ایک شخص کے ساتھ بدنام ہوگئی تھی، اِس لیے میں نے اُسے مار ڈالا۔ اُس نے کہا: تُو نے اُس شخص کو کیوں نہ مارا؟ تو بولا: پھر میں کتنے لوگوں کو قتل کرتا۔ وہ قتل ہوگئی تو لوگوں کے خون سے چھٹکارا پا لیا۔ یہ بدعادت ماں تیرا نفس ہے کہ ہر جانب اُسی کا فساد ہے۔ اُسی کی وجہ سے تُو زمانے کے ساتھ ہر طرف اُلجھتا ہے۔ کیوں نہ اُسی کو قتل کر تاکہ لوگوں کے ساتھ جھگڑنے اور معذرت کرنے سے بچ جائے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا نبیوں کے نفس مرے ہوئے نہ تھے؟ پھر اُن کے ساتھ لوگوں کو حسد اور دشمنی کیوں تھی؟ بات یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء رحمہم اللہ کے دشمن، اُن کے دشمن نہ تھے بلکہ اپنے دشمن تھے کیونکہ دشمنی کے نقصانات اُنہیں کو پہنچتے تھے۔ اُن پاک لوگوں کی دشمنی سے اُنہوں نے اپنی رُوح کے مراتب کو نقصان پہنچایا۔ چمگادڑ خود ہی آفتاب کی روشنی سے محروم رہتا ہے۔ لوگ اُس یکتا کی آنکھ کا حجاب کب ہیں۔ لوگوں نے خود ہی اپنی آنکھوں کو اندھا اور اپنے کو بہرہ بنا لیا ہے۔ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء رحمہم اللہ کے دشمنوں نے اپنے جہل کی وجہ سے اپنے آپ کو تباہ کر لیا۔ حسد کی بنیاد دوسرے کے مال و جاہ کی زیادتی ہے۔ حاسد کا مال تو کم ہوتا ہی ہے، حسد کر کے وہ خود ذہنی پریشانی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام سے حسد کیا اور اپنے آپ کو سو مصیبتوں میں پھنسا لیا۔ ابو جہل کو ابوالحکم کہا جاتا تھا کیونکہ لوگوں کے فیصلے کرتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی کی وجہ سے ابو جہل بن گیا۔ نیک خصلت ہونا سب سے بڑی خوبی ہے۔ اللہ نے اپنے اور اپنے بندوں کے درمیان انبیاء علیہم السلام کو واسطہ اِسی لیے بنایا ہے تاکہ حاسدوں کا مخلصوں سے اِمتیاز ہو جائے۔ خدمت گزاری اور خوش خلقی ہی کام کی چیزیں ہیں۔ اگر اللہ رسولوں کا واسطہ نہ بناتا تو حاسدوں کا حسد ظاہر نہ ہوتا۔ اللہ کو کوئی بھی اپنے برابر کا تصور کر کے حسد نہ کرتا۔ انسان کے حسد کی بنیاد اِسی پر ہے کہ وہ دوسروں کو اپنے برابر سمجھتا ہے اور پھر اُن کی بڑائی پر حسد کرتا ہے۔

تا نیفتد بر تو مردے را نظر　　از وجود خود کجا یابی خبر

جب تک تجھ پر کسی کامل کی نظر نہ پڑے　　تُو خود سے کیسے باخبر ہو سکتا ہے

رسولوں کا سلسلہ ختم ہونے سے حاسدوں کا سلسلہ ختم نہیں ہوا۔اب اولیاء اللہ رحمۃ اللہ علیہم کی ذات حاسدوں کے پرکھنے کی کسوٹی ہے۔قُطبُ الاقطاب ہمیشہ زمین پر زندہ اور امامِ وقت ہوتا ہے۔اُس امام کے لیے نسل کوئی خصوصیت نہیں ہے۔ہر دَور کا قُطبُ الاقطاب'امام حیّ وقائم ہوتا ہے۔مہدی بھی وہی ہے اور ہادی بھی وہی ہے۔اُس کی یہ خوبیاں مخفی ہوتی ہیں۔وہ لوگوں کی نگاہوں کے سامنے ہوتا ہے۔اُس کی عقل اُس کے لیے منجانب اللہ پیغام رساں ہے اور تمام اولیاء رحمۃ اللہ علیہم اُس ہی کے نور سے فیض پاتے ہیں۔وہ نور ہے اور اولیاء رحمۃ اللہ علیہم اُس سے مستفید ہیں،وہ بمنزلہ قندیلوں کے ہیں۔دیگر بزرگ جو اُن اولیاء رحمۃ اللہ علیہم سے منوّر ہیں اُن کی مثال طاقچہ کی ہے جو قندیل سے منوّر ہوتا ہے۔

اولیاء رحمۃ اللہ علیہم کے مختلف طبقات ہوتے ہیں'جو قُطبُ الاقطاب پر جا کر ختم ہو جاتے ہیں۔آخری صف والے زیادہ تجلی کے متحمل نہیں ہوسکتے۔دوسرے تیسرے درجے کے اولیاء رحمۃ اللہ علیہم بھی مجاہدات کے ذریعہ ترقی کر کے اور حجابات طے کر کے عارف کامل بن جاتے ہیں۔عالَمِ محسوسات میں جس طرح ہر آگ کو ہر چیز برداشت نہیں کرسکتی اسی طرح ہر شخص تجلی کا متحمل نہیں ہوسکتا۔جو آنچ جوار کے لیے مُفید ہے وہ سبزیوں پر ڈال دی جائے تو وہ جل کر خاک ہو جائیں۔وہ درویش جو مجاہدات کی بھٹی میں تپتا ہے اُس کی حالت لوہے کی طرح ہے۔وہ اُس آگ کو براہِ راست بدن پر لے لیتا ہے۔پانی اور پانی کی پیداوار بغیر دیگ یا توے کے تیار نہیں ہوتیں جیسے چلنے میں پَیر کے لیے جوتا۔اس لیے کہیں پہنچنے کے لیے واسطہ ضروری ہے۔قُطبُ الاقطاب عالَم میں بمنزلہ دل کے ہے۔ہمارے جسم کے سارے کمالات بھی دل کی وجہ سے ہیں۔خدا کا منظورِ نظر قُطبُ الاقطاب ہوتا ہے اور وہ دوسرے اولیاء رحمۃ اللہ علیہم کو فیض پہنچاتا ہے۔اولیاء رحمۃ اللہ علیہم کے مراتب کا مسئلہ عوام کی سمجھ سے بالاتر ہے اس لیے عوام کے ذہن کے مطابق اُن سے بات کرتا ہوں۔فقیر دروازے پر سے بھیک مانگے تو کچھ مل جائے گا لیکن اگر گھر میں گھسے گا تو اُس کی گت بن جائے گی۔ایک قِصّہ سنو۔

بادشاہ کا نئے خریدے گئے دو غُلاموں کا اِمتحان کرنا

ایک بادشاہ نے دو غلام خریدے اور دونوں سے کچھ بات کہی اور سُنی۔انسان کی شخصیت اُس کی زبان کے پیچھے چُھپی ہوتی ہے۔جب آدمی بول پڑتا ہے تو زبان کا پردہ ہٹ جاتا ہے۔ذہین آدمی بَرجستہ بھی ایسی بات کہہ جاتا ہے کہ دوسرا سو بار سوچ کر بھی نہ کہہ سکے۔ایک غلام کی باتوں کے بارے میں فرمایا کہ اُس سے حق و باطل میں اِمتیاز ہو جاتا تھا۔اِس پر شُبہ ہوا کہ یہ صفت تو قرآن میں بھی نہیں ہے ورنہ دُنیا میں کوئی گمراہ نہ رہتا۔بے شک قرآن میں یہ خوبی ہے لیکن دیکھنے والے کی آنکھ کی کجی اُس میں آڑے آجاتی ہے۔اِس لیے تُو اپنی نظر کو صحیح کر

آب گُفت آلُودہ را دَر مَن شتاب ایک گندے کو پانی نے کہا مجھ میں آجا	گُفت آلُودہ کہ دارم شرم زآب گندے نے کہا کہ مجھے تم سے شرم آتی ہے

لے، قرآن کی فرقانیت واضح ہو جائے گی۔ صحیح فکر خدا کی عطا ہے۔ کسی شُبہ کا حقیقی جواب صحیح فکر سے حاصل ہوتا ہے۔ دوسروں کا جواب سننے سے نہیں۔ سُنی سُنائی بات اور صحیح فکر والی بات میں وہی فرق ہے جو دلالہ میں اور محبوبہ میں ہوتا ہے۔ صحیح فکر اہلِ حال کی ہوتی ہے کیونکہ وہ اُس کیفیت میں خود مبتلا ہوتے ہیں اور اہلِ قال کی بات سُنی سُنائی ہوتی ہے۔ کسی بُری بات کے نتیجہ کو سُن کر انسان اُس سے پرہیز کرتا ہے لیکن یہ ممکن ہے کہ وہ اُس بُرائی کو پھر کر بیٹھے لیکن اگر انسان خود انجامِ بد میں پھنس جائے تو ایسی نصیحت حاصل ہوتی ہے کہ بُرائی کا ارتکاب ممکن نہیں رہتا۔

آگ کے جلا دینے کی اگر کوئی مخبرِ صادق خبر دے اور اُس سے جو یقین آگ کے جلانے پر ہوگا وہ عِلم الیقین ہے۔ کسی کو آگ میں جلتے دیکھ کر جو یقین حاصل ہوگا وہ عین الیقین ہوگا اور خود اپنا ہاتھ آگ میں جلانے سے جو یقین حاصل ہوگا وہ حق الیقین ہوگا۔ ہاں اگر رحمتِ خداوندی سے کان کو بھی کمال حاصل ہو جائے تو وہ بھی آنکھ کا کام کرنے لگتا ہے اور سُننا دیکھنے کا قائم مقام بن جاتا ہے۔

بادشاہ کا دونوں غلاموں میں سے ایک کو روانہ کر دینا اور دُوسرے سے حالات معلوم کرنا

جب بادشاہ نے اپنے ایک پیارے غلام کو ذہین سمجھا تو دوسرے کو اپنے قریب بلایا۔ اُس کی گفتگو اور منہ کی بُو سے وہ ناخوش ہوا۔ کہا کہ گندہ دہن ہونے کی وجہ سے تُو ہم مجلس تو بنے گا مگر قریب نہیں آئے گا۔ تجھ سے نامہ و پیام کا کام لیا جائے گا۔ لیکن اُسے آزمانے کے لیے ذہین غلام کو حمام میں بھیج دیا تا کہ نہا دھو کر آئے۔ دوسرے سے کہا کہ تُو تو بہت عقل مند ہے اور تیرے ساتھی نے ہمیں تجھ سے حسد کی وجہ سے برگشتہ کر دیا تھا۔ وہ بولا کہ وہ تو چور اور بد چلن ہے، کم ہمت ہے، ایسا ہے اور ویسا ہے۔

دوسرے سے پوچھا تو وہ بولا: وہ میرے بارے میں سچ کہتا ہے۔ اُس کے کہنے کو میں تُہمت قرار نہیں دیتا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ مجھ میں عیبوں کو دیکھتا ہو کیونکہ میں اپنے اندر نہیں دیکھتا ہوں۔ اگر ہر شخص پہلے ہی سے اپنا عیب دیکھ لیتا تو اپنی اِصلاح سے کب فارغ ہوتا۔ دوسروں کے عیب نکالنے والے لوگ اپنے آپ سے غافل ہیں اسی لیے دوسروں کے عیب بیان کرتے ہیں۔ جو شخص اپنے چہرے کو دیکھتا ہے اُس کا نور لوگوں کے نور سے بڑھا ہوا ہوتا ہے۔ اگر وہ مر بھی جائے تو اُس کا نور باقی رہتا ہے۔ ایسے لوگوں کو اپنے عیب ایسے صاف نظر آتے ہیں جیسے دوسروں کے۔ بادشاہ نے کہا کہ تُو بھی اُس کے عیب اُسی طرح کہہ دے جس طرح اُس نے تیرے عیب بیان کیے ہیں۔ اُس نے کہا: اے بادشاہ! میں اُس کے عیب بتاتا ہوں۔ اُس کا عیب محبت اور وفاداری ہے۔ سچائی، ذہانت اور ہمدردی ہے۔ سخاوت ایسی کرتا ہے کہ ضرورت

گُفت آب ایں شرم بے من کے رود
پانی نے کہا کہ یہ شرم میرے سوا کون دُور کرے گا

بے من ایں آلودہ زایل کے شود
میرے بغیر تیری یہ گندگی کیسے دُور ہو گی

مند کو جان تک دے دے۔ سخاوت تو وہی اعلیٰ ہوتی ہے کہ جزا کی تمنا پیشِ نظر نہ ہو۔ اگر ایک جان دینے کے بدلے میں بہت سی جانیں مل جانے کا یقین ہو جائے تو جان دینے میں کوئی بھی بخل نہ کرے۔ جب یقین ہو جائے کہ حدیث کے مطابق انسانوں کو ہر عمل کا بدلا دس گنا ملے گا تو لوگ بڑھ کر نیک اعمال کریں۔ دراصل شیطان' فقر سے ڈرا کر انسان کو سخاوت سے روکتا ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ دوست کی اتنی تعریف نہ کر کیونکہ میں اُس کو آزماؤں گا۔

بادشاہ کے سامنے غُلام کا اپنے دوست کی سچائی و وفاداری کی اپنے گمان و پاکیزگی کی وجہ سے قسم کھانا

غلام نے کہا: خدا کی قسم، جو مالک، مہربان اور رحم والا ہے۔ وہ خدا جس نے حقیر مٹی سے بڑے بڑے رُوحانی شہسوار پیدا کیے۔ اُن کو خاکیوں کے مزاج سے پاک کر دیا، اُن کو صاف نور بنا کر آسمان والوں سے بھی آگے کر دیا۔ آدم علیہ السلام، شیث علیہ السلام، نوح علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام جو بے دھڑک دنیاوی آگ میں گھس گئے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام جنہوں نے نور کی وجہ سے سرِ خنجر کے سامنے رکھ دیا۔ حضرت داوٗد علیہ السلام اُس نور کی بدولت لوہے کو نرم کر دیتے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام اُس نور کی وجہ سے دیو اور پری پر حاکم بن گئے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے جب نور کے اثر سے سر خدائی حکم کے آگے رکھ دیا تو بیٹے کی خُوش بُو سے آنکھوں کو روشن کیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام اُسی نور کی بدولت خواب کی تعبیر بتانے لگے۔ اُسی نور سے موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی سلطنت کو لقمہ بنا لیا۔ حضرت جرجیس علیہ السلام سات سات مرتبہ جان نثار کر کے پھر اُسی نور سے زندہ رہے۔ حضرت یونس علیہ السلام نے اُسی نور سے مچھلی کے پیٹ میں آرام فرمایا۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے اُسی نور کے ذوق میں مست ہو کر سر سونے کے طشت میں رکھ دیا۔ حضرت شعیب علیہ السلام اور حضرت ایوب علیہ السلام ساری عمر اُسی نور کی بدولت شکر گزار بندے بنے رہے۔ حضرت خضر علیہ السلام اور حضرت الیاس علیہ السلام نے اُس نور کے جام کو نوش کیا تو آبِ حیات پا لیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اُسی نور کی بدولت چوتھے آسمان کی بلندی تک پہنچ گئے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسی نور کی طاقت سے چاند کو دو ٹکڑے کر دیا۔ اُسی نور سے ابوبکر' صدیق رضی اللہ عنہ بنے۔ عمر رضی اللہ عنہ حق و باطل میں اِمتیاز کرنے والے بنے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ' ذوالنورین بن گئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ' جان کے جنگل میں شیرِ خدا بن گئے۔ حسنین کریمین اُسی نور کی بدولت عرش کے دو موتی بن گئے۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نور کے لشکر کی مدد سے بلند مرتبہ پر پہنچے۔ حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ نے اِسی وجہ سے قطبُ العارفین کا لقب پایا۔ حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ خدا کے خلیفہ اور خدائی سانس والے بن گئے۔ حضرت ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ انصاف کے بادشاہوں کے بادشاہ بن گئے۔ حضرت

چشمِ اسپ از چشمِ شہ رہبر بوَد
گھوڑے کی آنکھ سوار کی آنکھ کی وجہ سے رہبر ہے

چشمِ او بے چشمِ شہ مُضطر بوَد
اُس کی آنکھ شہ کی آنکھ کے بغیر معذور ہے

شفیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ تیز نگاہ والے بنے اور حضرت فضیل رحمۃ اللہ علیہ اس راہ سے شاہ کے منظورِ نظر ہو گئے۔ حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کے لیے ادب' بشارت دینے والا بنا۔ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ شکر خانہ بن گئے۔ حضرت سرّی سقطی رحمۃ اللہ علیہ فنا ہوئے تو شاہوں کے تخت پر جگہ پائی۔ ہر زمانے میں اللہ کی رحمت اُن کی پاک جان اور رُوح پر رہی۔

لاکھوں دیگر اولیاء رحمۃ اللہ علیہم اللہ کو ایسے محبوب ہیں کہ خدا رشک کی وجہ سے اُن کو مخفی رکھتا ہے۔ اُسے گوارا نہیں کہ لوگ اُنہیں پہچانیں۔ اولیائے کاملین مچھلیوں کی طرح ہوتے ہیں۔ جس طرح مچھلی پانی کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی اسی طرح یہ لوگ تقرّبِ الٰہی کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے۔ خدا کی پوری صفات میں اُس کا کوئی نام ظاہر نہیں کرسکتا اور ملکیتیں خواہ کتنی ہی مضبوط کیوں نہ ہوں وہ ملکیتِ خداوندی کی بہ نسبت ہیچ ہیں۔ شاہ پوچھے گا: تیرے پاس کیا ہے؟ دریا کی تہ سے کیا موتی لایا ہے؟ مرتے وقت تیری ظاہری حس بے کار ہو جائے گی، صرف رُوح کا نور، جو کہ تیرے دل کا رفیق ہے، تیرے کسی کام آسکے گا۔ قبر میں اِس آنکھ کو تو مٹی بھر دے گی۔ تو کیا قبر میں روشنی کرنے کے لیے رُوح کا نور ہے؟ حیوانی رُوح' موت آنے پر فنا ہو جاتی ہے۔ تو کیا تم نے کوئی نیکی خدا کے دربار میں پیش کرنے کے لائق رکھی ہے؟ کیا وہ جوہر تیرے پاس موجود ہے جو کسی دوسری چیز کا محتاج نہ ہو؟ نماز و روزہ، حرکات اور اقوال کا مجموعہ ہیں۔ اُن کا وجود دوسرے زمانے میں قائم نہیں رہے گا۔ یہ اَعراض ہیں۔ اِن کو ایک جگہ سے دوسرے جگہ منتقل نہیں کیا جاسکتا۔ اَعراض کو جوہر میں تبدیل ہونا چاہیے جیسے پرہیز سے مرض جاتا رہتا ہے۔ کوشش کر اور پرہیز یعنی جوہر حاصل کرلے جس سے کڑوا منہ میٹھا ہو جاتا ہے۔ کھیتی باڑی کرنا عرض ہے لیکن زمین کی مٹی جو جوہر ہے تبدیل ہو کر اناج بن جاتی ہے۔ نکاح عرض ہے۔ جس کا جوہر بچہ ہے۔ باغ کا لگانا عرض ہے۔ اُس کا پھل جوہر ہے جو کہ مقصود ہے۔ دربارِ خداوندی میں اَعراض کو پیش نہیں کیا جائے گا بلکہ رُوح پیش ہوگی جو کہ جوہر ہے۔ تجھے اپنے اعمال کی پیداوار دکھانی پڑے گی۔ بکری جوہر ہے لیکن اُس کا سایہ عرض ہے۔ بکری کی قربانی سے تقرّب حاصل ہوگا نہ کہ سایہ کی قربانی سے۔

غلام نے بادشاہ سے کہا کہ اگر عبادات کو اَعراض کہہ کر نا قابلِ اِنتقال کہا جائے گا تو عبادات کی اہمیت ختم ہو جائے گی اور عابدوں میں مایوسی پیدا ہو جائے گی۔ اگر آپ کہتے ہیں کہ عرض ساتھ رہنے والا نہیں ہے تو سب کچھ باطل ہوگا۔ شاہ نے کہا کہ ہر عمل نیت کے لحاظ سے شکل اختیار کرے گا۔ نیت ہی اصل جوہر ہے۔ ماں باپ کی ہمبستری عرض ہے۔ اُس نے بچّے کی جوہری صورت اِختیار کرلی۔ ایک انجینئر کا ذہنی خاکہ جوہری کی صورت میں مکان بن جاتا ہے۔ ہر پیشہ میں کاری گر ایک تصور (نیت) قائم کرتا ہے جو عرض ہوتا ہے اور پھر وہ تصورٗ جوہری صورت اِختیار کرلیتا ہے۔ خیال پہلے آتا

چشمِ اسپاں جز گیاہ و جز چرا
گھوڑے کی آنکھ گھاس چرنے کے سوا کچھ نہیں دیکھتی

ہر کجا خوانی بگوید نے چرا
اُسے اگر بلاؤ تو وہ گھاس ہی کی طرف بھاگے گا

ہے' اُس کے بعد عمل ہوتا ہے۔ عالمِ ازل میں عالمِ کائنات بھی صورِ علمیہ ہی کا مجموعہ تھا، اُس کے بعد تمام اشیاء کا وجود ظاہر میں ہوا۔ باغ لگانے کا نقشہ ذہنی ہوتا ہے اور اُس کے پھل' پھول' درخت تصوراتی ہوتے ہیں، بعد میں عملی صورت وجود میں آتی ہے۔ تصور کا نتیجہ سب سے آخر میں ظہور میں آتا ہے۔ شاخ اور پھول مقصود نہیں ہوتے، مقصود پھل ہوتا ہے جو سب سے بعد میں وجود میں آتا ہے۔ اِسی طرح حدیث قدسی کے مطابق "اے محمد ﷺ! اگر تمہارا وجود پیشِ نظر نہ ہوتا تو میں عالم کو پیدا نہ کرتا۔" حضور ﷺ اصل مقصد تھے' اِس لیے سب کے بعد میں ظہور پذیر ہوئے۔

عرض کے پیدا کرنے کا اصل مقصد جوہر کو پیدا کرنا ہوتا ہے۔ جیسے پھل کو پیدا کرنے کا مقصد اُس کا مزہ یا استعمال ہوتا ہے۔ قرآن میں ہے "بے شک انسان پر ایسا وقت آیا جب وہ کچھ بھی نہیں تھا۔" یعنی سب اشیاء پہلے مثالی صورتوں میں تھیں اور پھر عالمِ شہود میں آئیں، جنہیں ہم اپنے حواس سے پہچانتے ہیں۔ اِسی طرح رُوح کے اِنتقال کا عمل بھی اِس دنیاوی زندگی کے اعمال کے نتیجے کے طور پر عالمِ ثانی کے جوہر کے طور پر ظاہر کیا جائے گا۔ اِس عالم کے اعمال جو کہ عرض ہیں، اُن کا جوہر، عالمِ ثانی کی خلعت کے طور پر ظاہر ہوگا (جو کہ جوہر ہے)۔

عرض اور جوہر کی وہی نسبت ہے جو انڈے اور مرغی کی ہے۔ انڈے سے مرغی اور مرغی سے انڈہ بنتا ہے۔ اِسی طرح عرض سے جوہر اور جوہر سے عرض بنتے رہتے ہیں۔ بادشاہ نے پوچھا: تمہاری بات مان لیتا ہوں کہ عرض' جوہر بن جاتا ہے تو تمہارا کوئی عمل جوہر بنا؟ غلام نے جواب دیا: عرض، بصورتِ جوہر دُنیا میں نمایاں نہیں کیا جاتا۔ قدرت کا یہی قانون ہے' ورنہ یہ دُنیا آزمائش کی جگہ نہ رہے۔ لوگوں کے اِس دُنیا کے اعمال جوہر کی صورت میں دوسری دُنیا میں نمایاں ہوں گے۔ مومنوں کے اچھی صورتوں میں اور کافروں کے بُری صورتوں میں۔ اِس دُنیا کے اعمال کی جزا پوشیدہ ہے لیکن خاصانِ خدا کی نظروں میں ظاہر ہے۔ بادشاہ عارفِ کامل تھا' اُس نے پوچھا: تُو اپنا عمل بتا کہ کس صورت کا ہے' میں سمجھ لوں گا کہ اچھا ہے یا بُرا ہے۔ غلام نے کہا کہ جب آپ کا کشف اتنا بڑھا ہوا ہے تو مجھ سے کیوں پوچھتے ہو؟ شاہ نے کہا کہ اللہ کی سُنّت یہی ہے کہ وہ زبان سے کہلواتا ہے، حالانکہ وہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔ اِسی لیے اُس نے عالم کو بنایا ہے اور اِسے عالمِ تکلیف قرار دیا ہے کیونکہ انسان کبھی بے کار نہیں بیٹھتا، اچھا یا بُرا کوئی نہ کوئی کام ضرور کرتا رہتا ہے۔ انسان کو کام پر اِسی لیے مجبور کیا گیا ہے تاکہ اُس کی پوشیدہ نیکی یا بدی کا وجود مشاہدہ میں آجائے۔ انسان کی بے چینی اِس بات کی دلیل ہے اور اُس کا قلبی تقاضہ ہے کہ وہ عمل کرے۔ اللہ نے دُنیا کو عالمِ اسباب بنایا اور سبب کا ایک اثر متعین کیا، جو اُس سے وجود میں آجاتا ہے۔ ایک سبب کی وجہ سے ایک مُسبّب وجود میں آتا ہے اور پھر مُسبّب سبب بن کر کسی دوسرے

نُورِ حق بر نُورِ حِسّ راکب شود جب نُورِ حق حِسّی نُور پر سوار ہو جاتا ہے	واں گہے جاں سُوئے حق راغب شود تو جان حق تعالیٰ کی طرف راغب ہو جاتی ہے

مُسبّب کو موجود کر دیتا ہے۔ باپ، بیٹے کے وجود کا سبب بنا اور مُسبّب ہوا۔ پھر وہ پوتے کے وجود کا سبب بن گیا۔ یہی سلسلہ نسل در نسل چلا آتا ہے۔ بادشاہ اور غلام کی گفتگو یہاں تک ہوئی کہ بادشاہ نے غلام کے اعمال کی صورتیں دیکھنے کا ذکر کیا۔ چونکہ بادشاہ عارف کامل تھا' ہوسکتا ہے اُس نے اپنے کشف سے دیکھ لیا ہو۔

بادشاہ کا غُلام کی حالت پُوچھنا

بادشاہ نے غلام کی باتیں سُنیں تو اُسے ایک طرف بٹھا دیا اور دوسرے غلام کو طلب کر لیا۔ دونوں ایک دوسرے سے بے خبر تھے۔ بادشاہ نے اُسے کہا: اے نیک خُو! تُو بہت خوب صورت ہے، جو بھی تیرا چہرا دیکھے خوش ہو جاتا ہے۔ اگر تجھ میں وہ باتیں نہ ہوتیں جو پہلے غلام نے تیرے متعلق بتائی ہیں' اُن کا افسوس ہے، اُس نے شاہ سے پوچھا: جلدی بتائیں اُس بے ایمان نے آپ کو میرے بارے میں کیا بتایا ہے؟ شاہ نے اُسے کہا کہ پہلے تُو اُس کے بارے میں بتا جو تُو جانتا ہے میں پھر بتاؤں گا۔ وہ غلام غصّے میں آ گیا اور ملامت میں حد سے گزر گیا۔ جب شاہ نے اُس کے منہ سے لعنت ملامت سُنی تو فرمایا: میں تجھے اور اُسے سمجھ گیا ہوں تیری رُوح گندی ہے اُس کا صرف منہ گندہ تھا، تُو دُور ہو جا۔

دنیا بھر کے بزرگوں نے فرمایا ہے: "انسان کی راحت زبان کی حفاظت میں ہے"۔ حدیث میں آیا ہے کہ ریاکاری کی تسبیح کوڑے پر اُگا ہوا سبزہ سمجھ۔ خوب سمجھ لے کہ اچھی صورت، بُری عادتوں کے ہوتے ہوئے چار دانے جَو کے برابر بھی نہیں ہے۔ اگر کسی کی صورت حقیر ہو لیکن اُس کے اخلاق اچھے ہوں تو اُس کے قدموں میں جان دے دے۔ ظاہری صورت تو فنا ہونے والی چیز ہے البتہ باطن ہمیشہ باقی رہے گا۔ اگر تُو عقل مند ہے تو صورت کو نہ دیکھ سیرت پر غور کر۔ سیپ کو نہ دیکھ موتی حاصل کر۔ جسموں کے یہ سیپ دُنیا میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ زندہ ہیں لیکن ہر سیپ میں موتی نہیں ہوتا۔ قیمتی موتی نایاب ہوتے ہیں۔ اُن کو تلاش کر۔ انسان تو بہت سے ہیں لیکن پاکیزہ رُوح کہیں کہیں ملے گی۔ جسم کی بڑائی کوئی خوبی نہیں ہے ورنہ پہاڑ' لعل سے بڑھ کر ہوتا۔ انسان کا بدن کتنا بڑا ہے مگر شرافت تو آنکھ ہی کو حاصل ہے۔ فکر و خیال بھی ایک معنوی چیز ہے جو صد جہان کو یعنی "ظاہر" کو زیر و زبر کر ڈالتا ہے۔

بادشاہ کا ایک خیال ہو، اُس سے سینکڑوں ملک تباہ ہو جاتے ہیں۔ بادشاہ کا ایک جسم اپنی باطنی خوبیوں کی وجہ سے ہزاروں لشکریوں کے جسموں پر حکومت کرتا ہے۔ اور شاہ کا جسم اُس کے خیال اور فکر کا فرمانبردار ہوتا ہے۔ اللہ جب کسی بات کا ارادہ کرتا ہے تو کلمہ کُن سے وہ پیدا ہو جاتی ہے اور جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کو تباہ کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ فوراً تباہ ہو جاتی ہے۔ اصل خوبی باطن کی ہے نہ کہ ظاہر کی۔ انسان کی فضیلت عقل و خرد کی وجہ سے ہے جو معرفتِ حق پیدا کرتی

اسپ بے راکب چہ داند رسم و راہ
شاہ باید تا بداند شاہراہ

گھڑسوار کے بغیر گھوڑا راہ کو کیا جانے
شاہ درکار ہے تاکہ وہ شاہراہ کو سمجھے

ہے۔ تُو نے غیر مقصود کو مقصود اور مقصود کو غیر مقصود سمجھ لیا۔ عالمِ غیب ظاہر سے اہم ہے، حقیقت بیں نظر پہچان لیتی ہے۔ آگ لطیف عنصر ہے، نظر نہیں آتی۔ نظر جب آتی ہے جب وہ کسی کثیف جسم میں لگ جاتی ہے۔ ارادۂ الٰہی جو نظر نہیں آتا اس کی تاثیرات بھی قیامت کے دن ظاہر ہو جائیں گی۔ بڑے سے بڑے وجود فنا ہو جائیں گے، صرف محبت کرنے والا اللہ حیّ ہوگا۔

غُلاموں کا مخصُوص غُلام پر حسد کرنا

ایک بادشاہ نے اپنے کرم سے ایک غلام کو پسند کر لیا اور اپنے پاس اُسے بہت زیادہ عزت کا مقام دیا۔ بادشاہ محمود تھا اور غلام ایاز۔ دونوں کی رُوح آپس میں جُڑی ہوئی تھی۔ اصل معاملہ تو جسموں کے کام میں لگنے سے پہلے قائم ہوتا ہے۔ ایک عارف دوسرے عارف کو ٹھیک طرح پہچان لیتا ہے۔ عارف بھٹکتے نہیں ہوتے۔ عارف لوگ اللہ تعالیٰ کی تدبیر کو ہمیشہ اپنے اُوپر مسلّط دیکھتے ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ تُو اپنی ہر تدبیر اپنے دوست کے سامنے ڈال دے۔ اہم کام وہی ہے جو خدا نے قائم کر رکھا ہے۔ اے دوست! جب کہ تُو دوست کا پابند ہے، جو بوئے اُسی کے لیے بو۔ نَفس چور ہے، اُس کے کام میں نہ لگ۔ لاکھوں عقلیں بھی دوست کے ارادے کے آگے بے کار ہیں۔

اللہ کا عالمِ تدبیر کو پیدا کرنا بے فائدہ نہیں ہے۔ لیکن تدبیر بھی کوئی بے فائدہ شے نہیں ہے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر چیز ہر شخص کے لیے مُفید ہو۔ ایک چیز ایک کے لیے بے فائدہ ہے تو دوسرے کے لیے کار آمد ہے۔ یوسف علیہ السلام کے حُسن کا فائدہ سب کو تھا لیکن اُن کے بھائیوں کے لیے نہ تھا۔ نغمۂ داؤدی سب کو محبوب تھا لیکن منکروں کے لیے نہیں۔ نیل کا پانی آبِ حیات سے بڑھ کر تھا لیکن فرعونیوں کے لیے خون بن گیا۔ مومن کے لیے شہادت زندگی ہے لیکن کافر کے لیے موت۔ اللہ نے ہر نعمت، ہر ایک کے لیے پیدا نہیں کی۔ بعض لوگ بیماری کی وجہ سے مٹی کو غذا بنا لیتے ہیں لیکن حقیقت میں تو وہ غذا نہیں ہوتی۔ اِس سے انسان کو نقصان ہی ہوتا ہے۔ دنیاوی غذائیں رُوح کو کمزور کر دیتی ہیں۔ رُوحوں کی اصل غذا تو نورِ خدا ہوتا ہے جو کہ آسمانی غذا ہے۔ آسمانی غذا، اللہ کے مخصوص بندوں کی غذا ہوتی ہے۔ اُس کے کھانے کے لیے عالمِ ناسُوت کے وسائل کی ضرورت نہیں ہوتی۔ قرآن پاک میں شہیدوں کے لیے فرمایا گیا ہے کہ وہ اپنے خدا کے پاس زندہ ہیں اور اُن کو غذا دی جاتی ہے۔ دُنیا داروں اور اہل اللہ کی غذاؤں میں فرق ہوتا ہے۔ اسی طرح جسم کے مختلف اعضاء کی غذائیں بھی مختلف ہوتی ہیں مثلاً دل کی غذا، دوست سے ملاقات اور حصولِ علم ہے۔ چشمِ بصیرت کی غذا، انسان کے باطنی اَوصاف ہیں۔

نے زبانت کار می آید نہ دست	فقر خواہی آں بصحبت قائم ست
تمہاری زبان یا ہاتھ اِس راہ میں بے کار ہیں	اگر تُو فقر کی خواہش رکھتا ہے تو شیخ کامل کی صحبت اختیار کر

ہر ایک چیز کسی دوسرے سے مل کر کچھ نہ کچھ قوت حاصل کرتی ہے جیسے میاں بیوی کی ہمبستری سے بچہ پیدا ہوتا ہے۔ پتھر اور لوہے کو رگڑنے سے چنگاریاں پیدا ہوتی ہیں۔ چمن کی سیر سے سکون میسر آتا ہے۔ انسان خوش ہوتا ہے تو قوائے باطنی میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ رخساروں میں خون دوڑتا ہے تو چہرہ سُرخ ہو جاتا ہے۔ منافقوں کا شیطان سے ملاپ اُن کے شر میں اضافہ کرتا ہے۔ چونکہ باہمی میل جول سے کچھ نہ کچھ حاصل ہوتا ہے اس لیے اچھی صحبت سے بھی ضرور فائدہ پہنچتا ہے۔ اولیاء رحمہم اللہ، ذاتِ باری سے نور حاصل کرتے ہیں۔ اِس لیے وہ ذات اُن کا مشرق کہلا سکتی ہے ورنہ اللہ کے لیے نہ مشرق ہے نہ مغرب۔ اُس کی ذات ہر طرف ہر وقت نور فشاں ہے۔

میں باوجود آفتاب ہونے کے پھر بھی مزید تقرب حاصل کرنے کے لیے اُس شمس (حضرت شمس تبریزی رحمۃ اللہ علیہ) سے لپٹا ہوا ہوں۔ میرا یہ لپٹنا بھی اُسی شمس کا عطا کردہ ہے۔ جس طرح نتائج، قبضۂ قدرت میں ہیں، اُسی طرح اُسباب بھی قبضۂ قدرت میں ہیں۔ وصول الی اللہ کی سعی میں لاکھوں بار مایوسیاں پیدا ہوتی ہیں۔ میں مایوس ہو کر صبر کر کے بیٹھ جاؤں، یہ ممکن نہیں ہے۔ مایوس کرنا بھی اللہ ہی کا فعل ہے، اگر یہ ایمان ہو جائے تو اللہ کے ساتھ مزید تعلق پیدا کر دیتا ہے۔ اچھے ہوں یا بُرے سب نے وجود اُسی ذات سے حاصل کیا ہے۔ جن کو بصیرت حاصل نہیں، وہ اس طرف دھیان نہیں دیتے اور مردودِ بارگاہ ہو جاتے ہیں۔ جو لوگ اُسباب کو من جانب اللہ نہیں سمجھتے وہ اُسباب کو قبلہ گاہ بنا لیتے ہیں۔ منکرین کی کج فطرتی اُن کو تباہ کر دیتی ہے۔ بعض اوقات اولیاء اللہ رحمہم اللہ ایسا تصرف کر دیتے ہیں کہ منکر اُن کے قدموں میں آ گرتا ہے۔ جو اُن کے قریب آتے ہیں ضرور فیض یاب ہوتے ہیں۔ ہاں! حسد کرنے والے اپنے نفس کے امراض کی شفا حاصل کرنے سے محروم رہتے ہیں۔ آفتاب کا کام روشنی پہنچانا ہوتا ہے لیکن اگر کوئی خود ہی آنکھیں بند کر لے تو کیسے فائدہ پائے۔ اصل طالب تو وہ ہوتا ہے کہ اگر کسی وقت فیض نہ بھی ملے تو منکر نہ بنے بلکہ کوشش جاری رکھے کیونکہ اللہ تو اُس کی نیت سے واقف ہے۔ ایک وقت ضرور آئے گا کہ مناسبت پیدا ہو جائے گی اور فیض حاصل ہونے لگے گا۔ اگر منکر بن گیا تو تباہی ہے۔

ویرانہ میں باز کا چغدوں میں پھنس جانا

بادشاہ کا باز ایک ویرانے میں اُلوؤں میں جا گرا۔ وہ شاہ کی خوشنودی کے نور سے منور تھا لیکن قضاء نے اُسے اندھا کر دیا۔ اُلو اُس کے سر میں ٹھونگیں مارتے۔ انہوں نے شور مچا دیا کہ باز ہماری جگہ پر قبضہ کرنے آیا ہے۔ اسی طرح عارفین کی بھی کبھی کبھی آزمائش ہوتی ہے۔ وہ بھی قضائے الٰہی سے راہ گم کر بیٹھتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کے بارے میں بھی منکرین یہی

کہتے ہیں کہ یہ ہمیں ہماری سرزمین سے نکالنے کے لیے آیا ہے۔ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء رحمہم اللہ ہمیشہ اُن کو یہی جواب دیتے۔

خرم آں روز کزیں منزلِ ویراں بروم　　راحتِ جاں طلبم وز پئے جاناں بروم
نذر کردم کہ گر آید بسر ایں غم روزے　　تا درِ میکدہ شاداں و غزل خواں بروم

"وہ شادمانی کا دن ہوگا' جب میں اس ویرانے (دنیا) سے جاؤں۔ اپنی جان کے آرام اور اپنے محبوب کی طرف جاؤں۔ میں اپنا سب کچھ قربان کردوں اگر اِس غمِ دنیا سے اپنے مئے خانے تک خوش اور ناچتا گاتا جاؤں گا"۔

باز کہتا تھا: ارے بے وقوفو! یہ تو ویرانہ ہے، تمہیں یہ جگہ آباد نظر آتی ہے۔ میرے لیے تو شاہ کی کلائی واپسی کی جگہ ہے۔ میں تو اپنے مالک کا قرب چاہتا ہوں۔ اُلو کہتے: یہ اس کی بکواس ہے کہ اس کی شاہ سے دوستی ہے اور اُس کی کلائی پر بیٹھتا ہے۔ اکثر منکروں نے بھی اسی طرح دھمکیاں دی ہیں لیکن انبیاء علیہم السلام اور اولیاء رحمہم اللہ کو ستانے پر بستیاں ویران کردی گئیں۔ اولیاء رحمہم اللہ کو ستانے سے عوام تو درکنار بڑے بڑے صاحبانِ علم و ہُنر برباد ہوئے ہیں۔ خدا نے انبیاء علیہم السلام کی حفاظت کا وعدہ کیا ہے۔ خدا جب کسی کو رُوحانی عروج عطا فرماتا ہے تو اُس کی رُوح کی ترقی بھی اچھی پرورش حاصل کرتی ہے۔ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء رحمہم اللہ کی صحبت سے لوگ کامل بن جاتے ہیں۔ اُن کی اتباع سے ہی نجات حاصل ہوتی ہے۔ اُن کے درد کی دوا خدا کا دیدار ہوتا ہے۔ مُقربین کا رونا عشق کی وجہ سے ہوتا ہے، جو اُن کے مراتب کی بلندی پیدا کرتا ہے۔ اللہ اُن کی رُوحوں کو واپس بلانے کے لیے "اِرجِعِ" (تُو واپس آجا) فرماتا ہے۔

باز بولا: یہ اسی طرح سے ہے جیسے میں شکار کر چکتا ہوں تو واپس بلانے کے لیے طبل بجایا جاتا ہے۔ میں بادشاہ کا ہم جنس نہیں ہوں لیکن اُس کے نور کی تجلی مجھ پر پڑتی ہے۔ ہم جنسیت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ ہم صورت ہوں۔ لوگ ہم جنس، تعلق اور مناسبت کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ پانی اور مٹی، پیداوار میں باہم تعلق رکھتے ہیں حالانکہ اُن کی شکل و صورت جدا جدا ہے۔ انبیاء علیہم السلام و اولیاء رحمہم اللہ "اللہ" کے ہم جنس تو نہیں ہیں لیکن انہوں نے اپنی ہستیوں کو اُس کے لیے فنا کردیا ہے۔ اُن حضرات نے اپنے آپ کو مٹی میں ملادیا ہے اور اُس مٹی پر اُس کے نقشِ قدم ہیں۔ کافر انبیاء علیہم السلام کو صورتاً اپنے جیسا دیکھ کر منکر بنتے تھے اور مخالفت کرتے تھے جو دراصل اللہ کی مخالفت ہوتی ہے۔ ہماری رُوح بدن کے ساتھ ملی ہوئی ہے، کیا یہ بدن سے کسی طرح مُشابہ ہے؟ تو یہ کافر، صورت کی عدمِ مشابہت سے تعلق کا کیوں انکار کرتے ہیں؟

دانشِ آں را ستاند جاں زجاں　　نے ز راہِ دفتر و نے از زباں
یہ علم رُوح سے رُوح کے ذریعے ملتا ہے　　نہ کہ کتابوں سے یا زبان سے

جب آنکھ کی چربی، نورِ چشم کا مظہر اور دل کا قطرۂ خون، نور کا مظہر ہو سکتے ہیں تو ایک انسان کے نورِ حق سے متجلی ہونے میں کیا شک ہے۔ چیزوں کا باہمی تعلق پوری طرح سمجھنا مشکل ہے۔

اِسی طرح تعلق مع اللہ کی کیفیت بیان کرنا بھی ممکن نہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے کسی انسان کے دل کو متاثر کیا تو وہ حاملِ امانت ہو گیا۔ جس طرح حضرت مریم علیہا السلام کے گریبان میں پھونک ماری اور وہ حضرت مسیح علیہ السلام سے حاملہ ہو گئی۔ حضرت مریم علیہا السلام تو ایک انسان مسیح علیہ السلام سے حاملہ ہوئیں، مومن کا قلب تجلیاتِ رَبّ کا حامل ہو گیا۔ حاملِ حق شیخ کے قلبی نور سے تمام دُنیا مُستفید ہوتی ہے۔ بزرگوں سے فیض حاصل کرنے والے اپنے پہلے بزرگوں کی شہرت اور نمود کا سبب بنتے ہیں۔ قیامت میں سب کے وجود ظاہر ہو جائیں گے۔ اِسی طرح مستفیدین بزرگوں کے وجود کو نمایاں کرتے ہیں اور اسی طرح یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ یہی چیز بزرگوں کے سلسلے کہلاتی ہے۔ جو بزرگ اللہ تعالیٰ کی جانب سے لوگوں کی اِصلاح پر مامور ہوتے ہیں، اُن کا وعظ و نصیحت کرنا ذکرِ الٰہی سے ہم معنیٰ ہوتا ہے۔ ذکر و نصیحت سے خدا سے شرفِ ہمکلامی حاصل ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے لبیک کی صدا آتی ہے۔ جب کہ ذکر سے شرفِ ہمکلامی حاصل ہو تو کون بدنصیب ہو گا جو ذکر کرنے سے باز آئے گا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے "لَبَّيْكَ"، یعنی "میں حاضر ہوں" اللہ کو پکارنے والے کے جواب میں کہا جاتا ہے۔ فَاذْكُرُونِيْ أَذْكُرْكُمْ "تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا" اللہ تعالیٰ کا یہ جواب شنیدنی نہیں ہے بلکہ ذوقی ہے۔ یہ جواب ذوقی کیسے ہے؟ ایک قِصّہ سُن۔

پیاسے کا دیوار پر سے نہر میں مٹی کے ڈلے پھینکنا

ایک نہر کے کنارے ایک دیوار تھی جس پر ایک پیاسا بیٹھا تھا۔ وہ دیوار اُس کے لیے پانی تک پہنچنے میں رکاوٹ تھی۔ اچانک اُس نے ایک اینٹ اُکھاڑ کر پانی میں پھینکی، پانی کی آواز سے اُس کو (پانی) حاصل کرنے کا ذوق پیدا ہوا اور وہ ایک ایک اینٹ اُکھاڑ کر پانی میں پھینکتا رہا۔ اُس سے جو آواز پیدا ہوئی، وہ پیاسے کے لیے ایسی ہی تھی جیسے ذاکر کے لیے لبیک کی آواز۔ پانی پکارتا تھا: ارے! تجھے میرے اینٹ مارنے سے کیا فائدہ ہے؟ پیاسے نے کہا: اِس سے دو فائدے ہیں، یہ کام میں کبھی نہیں چھوڑوں گا۔ پیاسا جس طرح اَبر کو دیکھ کر خوش ہوتا ہے، پانی کی آواز سُن کر بھی خوش ہوتا ہے۔ حضرت اسرافیل علیہ السلام کے صُور کی آواز سے مُردے زندہ ہو جائیں گے۔ جو پیاس سے مر رہا ہو، پانی کی آواز سے اُس کو ایک زندگی مل جاتی ہے۔ فقیر جب خیرات دینے والے کی آواز سنتا ہے تو اُس میں نشاط پیدا ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے خدائی سانس یمن کی جانب سے پہنچتا ہے۔ شفاعت کے وقت

آنحضور ﷺ کے الفاظ کی خوشبو گنہگار کے لیے جاں فزا ہوگی۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کے کُرتے کی خوش بُو بہت دُور سے محسوس کر لی تھی جو اُن کی خوشی کا سبب بنی۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ ہر اینٹ جو میں اُکھاڑتا ہوں، پانی کے نزدیک ہوتا جاتا ہوں۔ اینٹ کا اُکھڑنا پیاسے کے لیے پانی سے وصل کو قریب کر رہا ہے۔ اِسی طرح انسان کا عاجز و پست ہونا اور سجدہ میں گرنا قربِ خداوندی کا سبب ہے جیسا کہ قرآن میں کہا گیا ہے وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ "سجدہ کر اور قریب ہو جا"۔ جب تک انسان تن پروری کرے گا اور ذکر سے دُور رہے گا اپنی گردن کو اونچا رکھے گا۔ یعنی یہ وہی دیوار ہے جو پانی کے وصل سے مانع ہے۔ ذاتِ خداوندی کا سجدہ اور قرب تب حاصل ہوگا جب تنِ خاکی کی اینٹ ایک ایک کر کے اُکھاڑ دی جائیں گی۔ جو وصل کا زیادہ پیاسا ہوگا وہ وصل کے اسباب جلد حاصل کرنے کی کوشش کرے گا۔ اُس پیاسے کو پانی کی آواز سے شراب کا سا نشہ حاصل ہو رہا تھا۔ جوانی کی عبادت اور مجاہدہ بہت افضل ہوتا ہے۔ جوانی کے مجاہدات بہت جلد ثمر آور ہو جاتے ہیں۔ تر و تازہ زمین میں تُخم ریزی بہتر پیداوار کرتی ہے۔ جوانی میں ظاہری اور باطنی حواس صحیح حالت میں ہوتے ہیں۔ بڑھاپے میں عبادت کے ثمرات حاصل نہیں ہوتے کیونکہ زمین شور زدہ ہوتی ہے۔ کیونکہ اس عمر تک پہنچتے پہنچتے بُرائیوں کی جڑ مضبوط اور اُس کو اُکھاڑنے کی طاقت نہ ہونے کے برابر ہوتی ہے۔

حاکم کا ایک شخص سے کہنا کہ کانٹوں کا جھاڑ جو تُو نے بویا ہے لوگوں کے راستے سے اُکھاڑ دے اور اُس کا عُذر کرنا

ایک سنگدل باتونی شخص نے لوگوں کے راستے میں کانٹوں کا جھاڑ لگا دیا۔ رستہ چلنے والے اُسے ملامت کرتے مگر وہ اُسے نہ اُکھاڑتا۔ جھاڑ بڑھتا رہا اور لوگوں کو زخمی کرتا رہا۔ حاکم کو خبر ہوئی۔ اُس نے بھی اُسے اُکھاڑنے کا حکم دیا مگر وہ پھر بھی ٹال مٹول کرتا رہا۔ حتیٰ کہ وہ ایک تن آور درخت بن گیا۔ حاکم نے کہا کہ تُو کل کل کرتا جائے گا اور یہ درخت جوان ہوتا جاتا ہے اور اُکھاڑنے والا بوڑھا ہوتا جاتا ہے۔ جلدی کر اُس کو اُکھاڑ دے اور وقت ضائع نہ کر۔

ہر بُری عادت کو ایک خاردار جھاڑ سمجھ۔ بارہا یہ تیرے پَیر میں چُبھا ہے۔ بارہا تُو اپنے فعل پر نادم ہوا ہے۔ تیری وجہ سے لوگوں کو پریشانی ہوئی لیکن تُو نے کچھ نہ کیا۔ تُو غافل ہے لیکن اپنے زخموں سے تو غافل نہ بن۔ بہادر بن، کلہاڑا پکڑ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرح خیبر کے اِس دروازے کو اُکھاڑ دے، یا اپنے آپ کو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کی طرح اپنی آگ کو دوست کے نُور کے ساتھ وابستہ کر دے تاکہ اُس کا نور تیری آگ کو بجھا دے۔ اُس کا ملنا تیرے کانٹے کو

چُوں گرفتی پیر ہیں تسلیم شو　　ہمچو مُوسیٰ زیرِ حکمِ خضر رو

جب پیر بنا لے خبردار! سر اطاعت رکھ دے　　مُوسیٰ علیہ السلام کی طرح حضرت خضر کے حکم کے ماتحت چل

گلستان بنادے گا۔ ناراور نور ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ قہر اور مہر ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ نور، نار کو اور مہر، قہر کو ختم کر دیتی ہے بُرے لوگ، بھلوں کی صحبت سے اسی لیے دُور بھاگتے ہیں کہ اُن کا مزاج ناری ہے اور بھلوں کا آبی۔

شیخ، ترکِ لذات کا حکم دیتا ہے اور عوام گریز کرتے ہیں۔ شیخ کی صحبت سے جب اخلاقِ رذیلہ کا ازالہ ہوتا ہے تو مرید خود اُس کی کیفیت محسوس کرتا ہے۔ اخلاقِ رذیلہ کے ازالہ سے اگر نفس میں بے چینی ہو تو اس سے پریشان نہیں ہونا چاہیے کیونکہ آگ پر پانی ڈالنے سے سُوں سُوں تو ہوتی ہے۔ بُرے اعمال سے اچھے اعمال بھی تباہ ہو جاتے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ "حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جیسے آگ لکڑی کو۔" بعض گناہ ایسے ہوتے ہیں کہ اُن سے تمام نیکیاں ختم ہو جاتی ہیں۔ نفس کی اصلاح کے بعد اعمال کے سبب اچھے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

مولانا نے ایک قِصّہ بیان فرمایا ہے کہ تین مچھلیاں تھیں، ایک عاقل، ایک نیم عاقل اور ایک بے وقوف۔ شکاری جال لے کر آیا تو عقل مند فوراً دریا کی تہہ میں چلی گئی اور نجات پا گئی۔ بقیہ دو پھنس گئیں، نیم عاقل نے کچھ عقل سے کام لیا اور اپنے آپ کو مردہ بنالیا۔ شکاری نے اسے مردہ سمجھ کر پھر دریا میں پھینک دیا۔ بے وقوف نے جال میں اُچھل کود شروع کی، شکاری نے اُس کے کباب بنالیے۔ ساٹھ سال کی عمر بھی ایک جال ہے، اس سے پہلے پہلے دریائے حقیقت میں غوطہ لگالے! ورنہ آگ میں بُھنا پڑے گا۔ کیونکہ ساٹھ سال تک بھی نیکی نہ کی ہو تو بڑی رُسوائی ہے۔ خبردار اے مسافر! بے وقت ہو گیا ہے اور زندگی کا سورج کنویں میں ڈوب جانے کے لیے تیار ہے۔ اب بڑھاپے میں جوانی کا کام کرلے، جتنا بیج بچ گیا ہے اتنا ہی بو دے تاکہ آخرت میں اُس کے پھل اور پتے دیکھ سکے۔ جب تک یہ چراغ بجھا نہیں ہے اس کے لیے تیل اور بتّی مہیا کرلے۔

اچھے کاموں کو کل پر مؤخر کرنے کی آفت

خبردار! ایسا نہ کہہ کہ کل شروع کروں گا۔ آج کا کام کل پر نہ ڈال۔ اس معاملے میں صرف باتوں سے کام نہیں چلے گا۔ سخاوت اور خیرات کو اپنا۔ بدن کی سخاوت یہ ہے کہ جسمانی لذّتوں اور شہوتوں سے پرہیز کیا جائے اور اُس کو عبادت میں مصروف کیا جائے۔

حدیث میں ہے کہ سخاوت بہشت کا ایک درخت ہے۔ جو شخص سخی ہے اُس نے اِس درخت کی ایک شاخ کو پکڑ رکھا ہے۔ وہ شاخ اُس کو نہیں چھوڑتی جب تک کہ اُس کو بہشت میں داخل نہیں کرلیتی۔ اے انسان! تو حُسن کا یوسف ہے اور یہ جہان کنواں ہے اور رسی خدا کے حکم پر صبر کرنا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ اُس نے ہمیں نجات کا ذریعہ بھی بتا دیا ہے جو کہ توبہ

صبر کُن بر کارِ خضرؑ اے بے نفاق | تا نہ گوید خضر رَو ہٰذا فراق
اے مخلص! خضرؑ کے کام پر صبر کر | تاکہ خضرؑ یہ نہ کہہ دے کہ جا یہ جدائی ہے

واستغفار ہے۔ اس ذریعے سے خدا کے مقرّبوں میں داخل ہو جاؤ۔ جب کوئی بگولا اُٹھتا ہے تو گرد وغبار نظر آتا ہے اور ہوا جو کہ اُس کی اصل ہے نگاہوں سے چھپی رہتی ہے۔ انسان بگولے کو دیکھ کر سمجھتا ہے کہ گرد اُڑ رہی ہے۔ عالمِ شہود میں بھی دراصل غیب کام کر رہا ہے، جیسے بگولے میں ہوا۔ اس لیے اصل عالمِ غیب کو سمجھو۔ ہمارے ظاہری حواس، عالمِ شہود کو دیکھتے ہیں۔ لیکن اللہ کے محبوب بندوں کی نظر عالمِ غیب کو دیکھتی ہے۔ عالمِ ظاہر میں جو کچھ عمل ہو رہا ہے محض چھلکا ہے، فنا ہو جانے والا۔ اصل مُحرّک تو عالمِ غیب میں ہے جو ظاہری نظروں سے پوشیدہ ہے۔ حسی نظر صرف عالمِ شہود کی چیزوں ہی کو جان سکتی ہے لیکن ظاہری آنکھ کا سوار بھی اللہ کا غیبی نور ہی ہے۔ گھوڑے کی آنکھ کی رہبری سوار کی آنکھ کرتی ہے ورنہ گھوڑے کے مدِ نظر تو گھاس اور دانہ ہی ہوتا ہے۔ اسی طرح حسی آنکھ کے پیشِ نظر صرف لذائذِ دنیوی ہوتی ہیں۔ اگر نورِ بصر پر نورِ حق سوار ہوتا ہے تو اُس کو آخرت کی نعمتیں نظر آتی ہیں۔ نورِ بصیرت کے بغیر محض نورِ بصارت سے وصول اِلَى الْحَق ممکن نہیں ہے۔ قرآن میں " نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ " سے یہی مراد ہے۔

نورِ حسی انسان کو دُنیا کی طرف اِس لیے لے جاتا ہے کہ اُس کے جملہ محسوسات عالمِ اسفل کے ہیں۔ جن لوگوں کو نورِ حق حاصل ہو جاتا ہے اُن کی باتوں اور بھلے کاموں سے سمجھ لیا جاتا ہے کہ اُن کو نورِ حق حاصل ہے۔ نورِ بصارت جو کہ مادی چیز ہے وہ بھی نظر نہیں آتا تو نورِ بصیرت جو کہ نورِ ایمان ہے اور غیبی چیز ہے کیسے نظر آ سکتا ہے۔ اس جہان نے عالمِ غیب کی مہربانی سے عاجزی اختیار کر لی ہے۔ یہ عالم ہر اُس تصرّف کو قبول کر لیتا ہے جو عالمِ غیب اُس میں کرتا ہے۔ کوئی قلم بغیر ہاتھ کے نہیں لکھتا، نہ کوئی گھوڑا بغیر سوار کے گھڑ دوڑ میں دوڑتا ہے۔ ظاہر ہے عالم کے جملہ تصرّفات کا کوئی کرنے والا ہے۔ قضا وقدر کے جس قدر تیر ہیں۔ وہ علیم وقدیر کے چلائے ہوئے ہیں اور اُن میں اُس کی کوئی حکمت پوشیدہ ہے۔

جنگِ بدر میں حضور ﷺ نے ایک مٹھی خاک دشمنوں کی طرف پھینکی جس نے آندھی کے گرد وغبار کی طرح دشمنوں کی آنکھوں کو متاثر کیا۔ اگر کوئی تیر تجھے آ کر لگے تو اُسے قضا وقدر کی طرف سے سمجھ، اُس پر غم وغصہ نہ کر۔ غصہ کی حالت غلط بینی کا باعث ہوتی ہے۔ انسان کو ہمیشہ قضا پر راضی رہنا چاہیے۔ اس جہان میں جو ذات حقیقتاً متصرّف ہے وہ ہماری نگاہوں سے پردہ میں ہے۔ ہر انسان کا دل قبضہ قدرت میں ہے، جسے وہ ایک آن میں اُلٹ پلٹ دیتی ہے۔ ہر سالک کو چونکہ بہت سے مراتب طے کرنے ہوتے ہیں اِس لیے اُس کی راہ میں بہت سے خطرے بھی لاحق ہوتے ہیں۔ سالک مراتب حاصل کرنے کے بعد ہی مقامِ امن میں پہنچتا ہے۔ کمال حاصل کرنے کے بعد خطرات کا ازالہ ہو

جاتا ہے اور پھر نقصان کی طرف نہیں لوٹتا۔ کمالِ ابدیت کے بعد انسان کو ربّ کی طرف سے سلطانی عطا ہوتی ہے اور اُس سے باطنی تصرّفات سرزد ہوتے ہیں۔

مریدین کے دل، شیخ کے تصرّف سے کبھی قبض میں مبتلا ہوتے ہیں، کبھی بَسط میں۔ پیر کے دل پر نقشِ خداوندی ہوتا ہے اور مرید کے دل پر پیر کا نقش اُبھرتا ہے۔ ہر حلقہ یا سلسلہ کے یکے بعد دیگرے جس قدر مرید ہوتے چلے جائیں گے اُن کی یہی صورت ہوگی۔ پیر کے دل کے نقشِ خداوندی کی وجہ سے مرید کے دل پر شیخ کی توجہ کی وجہ سے اَسرار و حکمت کے لاکھوں چشمے پھوٹتے ہیں اور خدانخواستہ شیخ کی توجہ کے ہٹ جانے سے یا بند ہو جانے سے معارف، کفریہ خیالات کا سبب بن جاتے ہیں۔ کوہ طور نے جب اُس پر خدا کی تجلی پڑی قبول کرلی۔ پہاڑ تو فیوض کو قبول کرلے اور انسان اپنے اندر یہ صلاحیت پیدا نہ کرے تو بڑے شرم کی بات ہے۔ اِسی زندگی میں انسان کے دل اور اعضاء پر اللہ کے قرب کے فیوض طاری ہونے چاہئیں۔ ضروری ہے کہ بدن کو مجاہدات کے تیشہ سے اُکھاڑ پھینکا جائے۔ خواہ اس سے زندگی میں تکلیف محسوس ہو۔

اگر مجاہدات سے مقامِ فنا حاصل کرلیا تو مقامِ اِحسان حاصل ہو جائے گا۔ یہ مقام انسان کو بھلوں کی صحبت ہی سے حاصل ہوسکتا ہے۔ مقامِ فنا میں پہنچ کر انسان خدائی رنگ میں رنگا جاتا ہے؛ جیسے لوہا آگ میں فنا ہوکر لوہا ہوتے ہوئے بھی آگ کی صفات کا حامل ہو جاتا ہے۔ جیسے وادی ایمن میں درخت میں سے ''اِنِّیۤ اَنَا اللّٰہُ'' کی آواز آتی تھی۔ منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ کے اَنَا الْحَق کہنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ فنائیتِ کُلی کی وجہ سے صفاتِ خداوندی سے مُتصف ہو گئے۔ جیسے لوہا سُرخ ہوکر زبانِ حال سے اپنے آگ ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اِسی طرح بعض اہل اللہ بھی جب اخلاقِ خداوندی حاصل کر لیتے ہیں تو وحدت کے مُدّعی ہو جاتے ہیں۔ انسان میں جب اخلاقِ خداوندی پیدا ہو جاتے ہیں تو اُس میں مسجود ہونے کی صفتِ خداوندی پیدا ہو جاتی ہے۔ ذاتِ حق کو آگ سے تشبیہ نہیں دی جاسکتی۔ یہ بات محض سمجھانے کے لیے تھی اِس لیے اِس معاملے میں خاموش رہنا بہتر ہے۔ ذات وصفات کی بحثیں ناپیدا کنار سمندر ہیں، اُن میں نہ گھسنا چاہیے۔ میرے (مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ) جیسے سینکڑوں عالم بھی مل جائیں تو ان بحثوں کو نہ سلجھا سکیں۔ (فرماتے ہیں) بے شک یہ ایک نازک کام ہے لیکن میں ذات وصفات کے ذکر کے بغیر صبر نہیں کرسکتا۔ میں بطخ کی طرح ہوں جو اپنے آپ کو دریا کے سُپرد کر دیتی ہے کہ جس طرف چاہے بہالے جائے۔ ذات وصفات کے ذکر میں غلبہ حال میں کبھی سوئے ادب بھی ہو جاتا ہے۔ لیکن ذکر کرنا بہرحال ذکر نہ کرنے سے بہتر ہے۔ شیخ خدائی حوض کی طرح ہوتا ہے، جس کا تعلق

دستِ حق میراندش زندش کند	زندہ چہ بود جانِ پایندش کند
اللہ تعالیٰ کا ہاتھ اُسکو مارتا ہے تو اُسکو زندہ کرتا ہے	زندہ کیا ہوتا ہے اُس کو ابدی زندگی عطا کرتا ہے

دریائے باطن سے ہوتا ہے۔ شیخ کے باطن کا اتصال ذاتِ باری سے ہے۔ نیک لوگوں کو بھی شیخ کا دامن تھامنا چاہیے۔ ورنہ ان کی محدود پاکی کسی دن ختم ہو جائے گی۔

پانی کی ناپاکوں کو پاکی کی طرف بُلانے کی مثال

کسی ناپاک کو پانی میں جانے سے شرم محسوس نہیں کرنی چاہیے۔ یعنی باطنی طہارت حاصل کرنے کے لیے شیخ سے تعلق قائم کرنے میں حجاب نہیں ہونا چاہیے۔ انسان کے بدن میں دو حوض ہیں، ایک بُرے خصائل کا مخزن ہے دوسرا بھلائیوں کا۔ بھلائیوں کا مخزن حوضِ دل ہے۔ دونوں قسم کے اخلاق کے مخزن ملے جُلے ہیں۔ راہِ سلوک میں اگر کوئی غلطی بھی ہو جائے تو بھی منازل طے کرنے میں توقف نہیں ہونا چاہیے۔ دربارِ حق کی حاضری شکرّ سے بھی زیادہ شیریں ہے۔ اگر اس کے حصول میں جان بھی چلی جائے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ عشقِ الٰہی کے سلسلے میں ملامت کی پروا نہیں کرنی چاہیے۔ عشق وہی کام کرتا ہے جو آگ کی بھٹی کرتی ہے۔ فنا کے بعد ہی بقا حاصل ہوتی ہے۔ یاد رکھو! غمِ عشق، جاں گداز نہیں بلکہ جان فزا ہے۔ عاشق کے لیے غم موجبِ اطمینان ہوتا ہے۔ سمندر پالتو مرغ کے لیے ہلاکت لیکن بطخ کے لیے باعثِ مسرّت ہوتا ہے۔ عشق کی پیدا کردہ کیفیات انسان میں نئی قسم کے جنون پیدا کرتی ہیں، جو کہ باعثِ صد رحمت ہوتے ہیں۔

دوستوں کا شفاخانہ میں ذوالنُون مصری رحمۃ اللہ علیہ کی مزاج پُرسی کے لیے آنا

حضرت ثوبان بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کا لقب ذوالنون (مچھلی والا) پڑ گیا جو کہ بہت بڑے بزرگ تھے۔ ایک سفر میں کشتی میں سوار تھے، کشتی میں سے ایک تاجر کا قیمتی موتی چوری ہو گیا۔ لوگوں نے اُن پر الزام لگایا۔ عاجز آ کر انہوں نے دُعا شروع کی تو سینکڑوں مچھلیاں اپنے اپنے منہ میں موتی لیے ظاہر ہوئیں۔ انہوں نے ایک موتی پکڑ کر تاجر کو دے دیا۔

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ کا عشق بہت اعلیٰ درجے کا تھا۔ وہ اپنے عشق میں دُنیا کے ریاکاروں کا پردہ فاش کر دیتے تھے۔ فتنہ پیدا کرنا ممنوع ہے۔ لیکن ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ مجبور تھے۔ اُن کو قید خانے میں ڈال دیا گیا۔ حق گو بزرگوں کی جان کو خطرے لاحق ہوتے ہیں۔ عوام بزرگوں کے باطن کو نہیں سمجھتے، اُن کے ظاہر پر انہیں ملامت کرتے ہیں۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ لاکھوں موتیوں والا سمندر ایک قطرے میں ہے اور معرفت کا آفتاب ایک ذرّے میں ہے۔ لوگ ایسے آفتابوں کی قدر نہیں کرتے اور اگر اختیار اور اقتدار بے عقلوں کے ہاتھ میں ہو

یار باید راہ را تنہا مرو   از سرِ خود اندریں صحرا مشو

راہِ عشق میں کوئی راستہ کا یار چاہیئے تنہا نہ جا   اِس جنگل میں تنہا نہ جا

تو منصور رحمۃ اللہ علیہ جیسے ضرور سولی چڑھ جاتے ہیں۔ گم گشتہ قوموں نے نبیوں سے کہا کہ ہم تمہیں منحوس سمجھتے ہیں۔

بعض محبت کرنے والے بھی کبھی کبھی جہالت کے مرتکب ہوتے ہیں۔ عیسائی کہتے ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دے دی گئی۔ اگر وہ اپنے آپ کو نہ بچا سکے تو یہ اُن کے ذریعے اپنی نجات کے کیسے قائل ہیں۔ اولیاء رحمہم اللہ کا وجود بھی انبیاء علیہم السلام کی طرح عذاب کے دفع کرنے کا موجب ہوتا ہے۔ وَاَنْتَ فِیْھِمْ (آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے۔ جب تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُن میں موجود ہیں اُن پر عذاب نہ آئے گا) لیکن اگر لوگ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء رحمہم اللہ کو ستانے لگ جائیں تو عذاب سے نہیں بچ سکتے۔ لوگ حسد کی وجہ سے انبیاء علیہم السلام اور اولیاء رحمہم اللہ کے مخالف ہوتے ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو بھائیوں نے حسد کی وجہ سے کنویں میں گرا دیا لیکن بعد میں مجبور ہو کر اقرار کرنا پڑا۔ اُنہوں (بھائیوں) نے کہا تھا کہ اُنہیں بھیڑیا کھا گیا' اِسی لیے آخرت میں حاسدوں کا حشر بھیڑیوں کی شکل میں ہوگا۔ حرام خور کا حشر خنزیر کی صورت میں ہوگا۔ زناکاروں کی شرمگاہیں سڑتی ہوں گی۔ دلوں میں چھپی ہوئی گندگیاں نمایاں ہو جائیں گی۔ انسانوں کے باطن میں بھی بہت سی بُری خصلتیں ہوتی ہیں۔ جو خصلت زیادہ غالب ہوگی، اُسی پر اِس کا حشر ہوگا۔ صحبت سے انسانوں میں اچھے یا بُرے اخلاق جڑ پکڑتے ہیں۔ حیوانات' انسانوں کی صحبت سے متاثر ہوتے ہیں تو انسان پر کیسے اثر نہ ہوگا۔ انسان کی صحبت سے کتے میں کام کرنے کی حرص پیدا ہو جاتی ہے اور وہ بھیڑوں کا چرواہا بن جاتا ہے۔ قطمیر نامی اصحابِ کہف کا کتا محض اچھی صحبت کی وجہ سے جنت میں جائے گا۔ صحبت کی وجہ سے ایک سینے سے خیالات دوسرے سینے میں منتقل ہوتے ہیں۔ اِس لیے مُفید راستے سے کچھ حاصل کرنا ہے تو عارفوں کے دل کے پاکیزہ خیالات حاصل کرو۔

مُریدوں کا سمجھنا کہ ذُوالنُّون رحمۃ اللہ علیہ پاگل نہیں ہُوئے، قصداً ایسی صُورت بنائی ہُوئی ہے

ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ قید خانہ میں خوش تھے۔ اُن کے بارے میں لوگوں کی مختلف آراء تھیں۔ کوئی کہتا تھا: جان بوجھ کر دیوانے بنے ہوئے ہیں، کوئی کہتا تھا: خدا نے دیوانہ بنا دیا ہے۔ کوئی کہہ رہا تھا کہ یہ ممکن نہیں کہ اُن جیسے عقل مند سے دیوانگی کی باتیں سرزد ہوں۔ کوئی کہتا: عقل مند لوگ باعثِ ننگ کام کرنے لگے ہیں' اِس لیے اُنہوں نے اپنے آپ کو دیوانہ بنا کر اُن کے زُمرے سے خود کو خارج کر لیا ہے اور کوڑے سے اپنے آپ کو پٹوار رہے ہیں۔ جیسے موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں چمڑہ لگنے سے مردہ زندہ ہو گیا تھا اور اُس نے قاتل کا پتہ دیا تھا۔ یہ بھی فنا ہو کر اَسرارِ الٰہی مُنکشف کریں گے تاکہ شیطان جو کہ انسانوں کا قاتل ہے کے مکر و فریب کو پہچان جائیں۔

ہر کہ تنہا نادر ایں رہ را بُرید
(ایسا کم ہے کہ تنہا کسی نے یہ راستہ طے کیا ہو)

ہم بعونِ ہمّتِ مرداں رسید
(وہ بھی بزرگوں کی باطنی توجہ کی وجہ سے پہنچا ہوگا)

ذُوالنُّون مصری رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت کی طرف رجُوع

وہ لوگ قید خانہ میں اُن رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پہنچے اور کہا: اے عقل کے دریا! آپ پر یہ جنون کا اِلزام کیسا ہے؟ ہم سے نہ چُھپائیں، ہم دوست ہیں؛ ہمارے ساتھ ایسی بے رخی اچھی نہیں۔ جب ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ نے اُن کی باتیں سنیں تو اُن کو آزمانے کا ارادہ کیا۔ اُن سے گالی گلوچ کرنے لگے اور اُن پر پتھر پھینکنے لگے۔ وہ ڈر کے مارے بھاگ گئے۔ یہ ہنسے اور بولے: یہ کیسے دوست تھے؟ دوستوں کو جان کی فکر کب ہوتی ہے؟ دوست کے ستانے سے دوست کب بھاگتا ہے؟ دوستی چھلکا ہے اور دوستی کی تکلیف اُس کا مغز ہے۔ دوستی کی علامت تو یہی ہے کہ راضی برضا رہا جائے۔

حضرت لُقمان رحمۃ اللہ علیہ کے آقا کا اُن کی ذہانت کو آزمانا

حضرت لقمان رحمۃ اللہ علیہ اگرچہ غلام زادے تھے لیکن اپنے آقا کی نظر میں بہت عزیز تھے کیونکہ نفسانی خواہشات سے آزاد تھے۔ ایک بادشاہ نے ایک بزرگ سے کہا: مجھ سے کچھ مانگ لیں۔ بزرگ نے کہا: اے بادشاہ! تجھے شرم آنی چاہیے۔ اِس مقام سے بلند ہو کر بات کر۔ میرے دو حقیر غلام ہیں اور وہ دونوں تیرے حاکم ہیں۔ بادشاہ بولا: وہ کون سے؟ بزرگ بولا: ایک غصہ اور دوسرا شہوت۔ اے بادشاہ! شاہ وہ ہے جو بادشاہی سے بے نیاز ہو۔ ایسا انسان وہ خزانہ رکھتا ہے جس کے سامنے تیرا خزانہ ذِلت ہے۔ یہ دُنیا عجیب ہے، یہاں قیمتی چیز کو کم قیمت اور کم قیمت کو قیمتی سمجھا جاتا ہے۔ اپنی ظاہری عزت اور ذلت کے خیال سے بے عقلی کے کام کرتے ہیں۔ کپڑوں سے انسان کو پہچانتے ہیں، اُس کی حقیقت پر نظر نہیں رکھتے۔

بعض لوگ ظاہری مکاری اور چرب زبانی کو دیکھ کر کسی کے زُہد کے قائل ہو جاتے ہیں۔ کسی کو حقیقی طور پر پہچاننے کے لیے نورِ قلبی درکار ہے، جس کے ذریعے بغیر بات کئے اور کام دیکھے انسان کو پہچانا جا سکتا ہے۔ کامل پیر پر مرید کے دل کے اَحوال منکشف ہو جاتے ہیں۔ جس طرح خیالات انسان کے دل میں گھس جاتے ہیں اِسی طرح اللہ کا خاص بندہ بھی دل میں گھس کر پوشیدہ اَحوال جان لیتا ہے۔

حضرت لقمان رحمۃ اللہ علیہ نے جان بوجھ کر ظاہری طور پر غلامی اِختیار کر رکھی تھی۔ دراصل وہ آقا تھے۔ اللہ کے بندے بعض اوقات اجنبی جگہوں پر مصلحت کی بناء پر اکثر اپنے آپ کو غلام اور غلام کو شاہ ظاہر کر دیا کرتے ہیں۔ اپنے آپ کو بادشاہ ظاہر کرنے میں بہت سے خطرات ہوتے ہیں۔ بہت سے بزرگ اپنی بزرگی کو چُھپانے کے لیے معمولی کام اِختیار کر لیتے ہیں تاکہ عوام کی نگاہوں سے چُھپے رہیں۔ جو لوگ حرص و ہوا کے غلام ہوتے ہیں وہ ہمیشہ اپنی بڑائی ظاہر کرنے

دستِ پیر از غائباں کوتاہ نیست
پیر کا ہاتھ غیر حاضر لوگوں سے بھی، کوتاہ نہیں ہے

دستِ اُو جز قبضۂ اللہ نیست
اُس کا ہاتھ اللہ تعالیٰ ہی کا ہاتھ ہے

میں لگے رہتے ہیں۔ بزرگ ہمیشہ فروتنی سے کام لیتے ہیں۔ حقیقت میں لقمان رحمۃ اللہ علیہ آقا ہیں اور اُن کا آقا غلام ہے۔ اسی طرح اس عالم میں اور آخرت میں بہت سی چیزیں ہیں جو ظاہر کے برعکس ہیں۔

کمال کو دوسروں کی نگاہوں سے چھپانا بھی ایک کمال ہے لیکن اپنی نگاہوں میں اپنے کمالات، کمال نہ ہوں تب کمال ہے۔ اپنے آپ کو غلام سمجھتے ہوئے مزدوری کیے جاؤ تب ہی اپنی برائیوں کو اپنے آپ سے چرا کر غائب کرسکو گے۔ کبھی افیون کھلا کر لوگ اپنی خودی کو مٹاتے ہیں کیونکہ خودی کے مٹنے سے اصلاح ہوگی۔ موت کے وقت جسمانی تکلیف کی طرف توجہ ہوتی ہے تو روح چوری چلی جاتی ہے۔ انسان کی جس چیز کی طرف توجہ رہے وہ بچ جاتی ہے اور جس سے غفلت برتتا ہے چوری ہو جاتی ہے۔ قیمتی چیز یعنی اللہ کی طرف توجہ رکھو۔ جس چیز کی انسان کو فکر ہوتی ہے اُس کی جانب چور نہیں آتا۔ تاجر کا مال پانی میں گرنے لگتا ہے تو وہ قیمتی سامان کو قابو کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اللہ کی محبت قیمتی چیز ہے، یہ ساتھ جاتی ہے، اس لیے اس کی حفاظت کر۔

امتحان کرنے والوں پر حضرت لقمان رحمۃ اللہ علیہ کی بزرگی ظاہر ہونا

جب حضرت لقمان رحمۃ اللہ علیہ کے آقا نے اُن کو پہچان لیا تو اُن کا غلام بن گیا۔ محبت کی وجہ سے اُن کا جھوٹا کھاتا، جو وہ نہ کھاتے اُسے ضائع کرا دیتا۔ اُن کی محبت سے مستی حاصل کرتا تھا۔ تحفے میں کہیں سے خربوزے آئے۔ آقا نے لقمان کو بلوایا۔ اپنے ہاتھ سے ایک قاش کاٹی اور لقمان کو دی۔ وہ اُسے شکر سمجھ کر کھا گئے۔ چونکہ اُنہوں نے خوشی سے کھایا تھا لہٰذا آقا قاشیں دیتا رہا۔ وہ سترہ قاشیں کھا گئے، ایک بچ گئی۔ جب اُس نے کھائی تو کڑواہٹ سے منہ جل گیا۔ تھوڑی دیر بے چین رہا۔ جب ٹھیک ہوا تو پوچھا: اے جانِ عالم! تم نے اس قدر کڑواہٹ کیسے کھالی؟ کیوں نہ کوئی عذر کر دیا کہ نہیں کھا سکتا؟ حضرت لقمان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: تیرے سخی ہاتھ سے اس قدر اچھے اچھے کھانے کھائے ہیں، مجھے شرم آتی ہے اگر تیرے ہاتھ سے ایک کڑوی چیز نہ کھاؤں۔ اگر میں ایک کڑوی چیز پر واویلا کروں تو مجھ پر لعنت ہے۔ تیرے محبت بھرے ہاتھ نے خربوزے میں کڑواہٹ چھوڑی ہی کب تھی۔ محبت کی وجہ سے کڑوی چیزیں میٹھی ہو جاتی ہیں۔ کانٹے پھول بن جاتے ہیں، قید خانہ چمن بن جاتا ہے، آگ نور بن جاتی ہے، محبت کا ڈنک شہد بن جاتا ہے۔ محبت سے گھر روشن ہو جاتا ہے۔ محبت مُردوں کو زندہ کر دیتی ہے، بادشاہ غلام بن جاتے ہیں۔ یہ محبت بھی سمجھ کا نتیجہ ہوتی ہے۔ ناقص عقل نے عشق کب جنا ہے۔ ناقص عقل بھی عشق پیدا کرتی ہے لیکن غیر واقعی معشوق کے ساتھ۔ ناقص عقل جب کسی چیز پر محبوبِ حقیقی کا عکس دیکھتی ہے تو اُس کی گرویدہ ہو جاتی ہے اور دھوکا کھا جاتی ہے، جیسے پرندہ شکاری کی سیٹی کی آواز

غائباں را چوں چنیں خلعت دہند | حاضراں از غائباں لاشک بہند
جب وہ غیر حاضر لوگوں کو ایسا انعام دیتے ہیں | تو لامحالہ حاضر لوگ غیر حاضروں سے بہتر ہیں

سے دھوکا کھا کر جال میں پھنس جاتا ہے۔ باعثِ لعنت وہ بُرائی ہوتی ہے جس کا ازالہ ممکن ہو اور نہ کیا جائے۔

بے عقل انسان عاقلوں کی صحبت میں رہ کر عقل حاصل کرسکتا ہے۔ ہر سرکش کافر کا کفر عقل کی کمی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ ناپائیدار عشق ایسا ہی ہے جیسے دریا کی جھاگ پر گھوڑا دوڑانے کی کوشش یا آسمانی بجلی کی روشنی میں خط پڑھنے کی کوشش۔ عقل وہ ہے جو انجام پر نظر رکھے۔ نفس کوتاہ اندیش ہے، فوری فائدے کا طالب ہے۔ اگر انسان وساوسِ قلبی میں مبتلا ہو تو اُن کے درپے نہ ہو بلکہ یہ مراقبہ کرے کہ یہ وسوسے بھی اللہ کی جانب سے ہیں تو وساوس کی نحوست ختم ہو جاتی ہے اور عروج کی سعادت حاصل ہو جاتی ہے۔ انسان کے اُحوال کی تبدیلی میں مصلحت یہ ہے کہ عاقبت کی قدر اُسی کو ہوتی ہے جو مصیبت میں پھنس چکا ہو۔ قرآن پاک میں ہے: اَلسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ ○ اُولٰٓئِکَ الْمُقَرَّبُوْنَ یعنی دائیں، بائیں والوں یعنی جنتیوں اور دوزخیوں سے آگے گزر کر سابقوں یعنی مقربوں میں داخل ہو جاؤ۔ عقلِ کامل ہو تو ایسی ہو جیسی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جو کہ دشمنوں کی آگ میں بھی آخرت کا منظر دیکھ رہے تھے۔ جسم کی دُنیا غلطی میں مبتلا کرنے والی ہے۔ سوائے اُس کے، جو خواہشِ نفسانی سے بچا۔

بادشاہ کے خاص غلام پر غلاموں کا حسد

باغبان اپنے سب درختوں کو پہچانتا ہے اور اُن سے اُن کی حیثیت کے مطابق معاملہ کرتا ہے۔ ایک درخت ایسا قیمتی ہوتا ہے کہ جو بہت سوں سے بڑھا ہوا ہوتا ہے۔ بظاہر سب درخت یکساں ہیں۔ اسی طرح پیر بھی سمجھتا ہے کہ کون سا مرید آخر میں کون سے مرتبے پر ہوگا۔ حاسدوں کی آنکھ جانوروں کی آنکھ جیسی ہوتی ہے جو محض جسمانی غذا ہی کو دیکھتی ہے۔ حاسدوں کے اعمال کے پھل تلخ تھے اسی لیے وہ خفیہ طور پر خاص غلام کی جڑ دُنیا سے کاٹنا چاہتے تھے۔ یہ نہیں جانتے تھے کہ اُس کی جڑ اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں تھی۔ بادشاہ اُن کے رازوں سے واقف تھا لیکن ابوبکر ربابی رحمۃ اللہ علیہ کی طرح خاموش تھا جو کہ ایک ولی تھے اور سات سال تک بالکل خاموش رہے۔ بادشاہ اُن کی تدبیروں پر ہنستا تھا کہ اُنھوں نے سب کچھ بادشاہ ہی سے سیکھا تھا۔ وہ شاگرد بدبخت ہے جو اپنے اُستاد سے مقابلہ کرے۔ اُستاد بھی وہ جو رُوحانی اُستاد ہے، جس کے سامنے ہر شخص کا ظاہر و باطن یکساں ہے۔

حدیث میں ہے ''مومن کی فراست سے ڈرو، وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔'' معصیتوں والے دل میں سوراخ ہوتے ہیں۔ وہ بہت کوشش کرتا ہے کہ میرا راز کسی کو پتہ نہ چلے مگر اُس کے جعلی پردے کے پیچھے دل کا ہر سوراخ راز بتا دیتا ہے۔ پیر، مرید کے دل کی حالت معلوم کر لیتا ہے۔ مرید کا دل بتا دیتا ہے کہ وہ جھوٹا ہے۔ پیر اپنی شرافت کی وجہ سے مرید

چوں گزیدی پیر نازک دل مباش　　سست ریزندہ چو آب و گل مباش

جب تُو نے پیر بنا لیا تو نازک دل نہ بن　　گارے کی طرح ڈھیلا اور بکھرنے والا نہ بن

کے راز کا اظہار نہیں کرتا اور اُس کی ہاں میں ہاں ملا دیتا ہے۔ پیر' مرید کے کاموں سے خوش ہو کر ہنسے تو مرید فیوض سے مالا مال ہو جاتا ہے۔ اگر مرید حسِ باطن سے بے بہرہ ہو تو وہ نہ تو فیوض کو سمجھے گا' نہ اُن کی آمد کو اور نہ ہی اُن سے محرومی کو۔ کور باطن کو جب یہ نظر نہیں آتا کہ اُس کی رُوح پر خزاں طاری ہے تو وہ پیر کے غصّے کے اثرات کو بھی نہیں سمجھ سکتا۔ یاد رکھو! پیر کی ناراضگی سے قلب سیاہ ہو جاتا ہے۔ جس طرح کاتب کا اثر کاغذ پر آتا ہے' اِسی طرح پیر کا اثر رُوح پر پڑتا ہے اور مرید کی قلبی حالت ہی اُس کی اچھائی یا بُرائی کا معیار ہے۔ شیخ کے انوار مختلف انواع کے ہوتے ہیں، جیسے دھنک کے مختلف رنگ ہوتے ہیں، اولیاء رحمہم اللہ ''اللہ'' کے مظہر ہوتے ہیں۔ بلقیس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کا خط اُن کا مظہر سمجھ کر قبول کر لیا اور ہُد ہُد کی حقارت کو مدِ نظر نہ رکھا۔

حضرت سُلیمان علیہ السلام کی تعظیم کا عکس بلقیس کے دِل پر ہُدہُد کی صُورت کے ذریعے

اُس بلقیس پر سو گنا رحمت ہو جس کو خدا نے سینکڑوں مردوں کی عقل عطا فرمائی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہُد ہُد کے ذریعے اپنا خط اُسے بھیجا۔ ظاہری آنکھ میں وہ ہُد ہُد تھا مگر چونکہ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا قاصد تھا۔ لہٰذا باطنی نگاہ نے اُسے عنقا سمجھا۔ وہ چیزیں جو بظاہر حقیر ہوتی ہیں لیکن بباطن عظیم، اُن کے بارے میں عقل اور حس میں جنگ ہوتی رہتی ہے۔

کافر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری بشریت کو دیکھتے تھے اور اُن کی رُوحانی عظمت جس کا کرشمہ شقُّ القمر کا معجزہ ہے اُس کو نہیں دیکھتے تھے۔ محض ظاہر کو دیکھنے والی نگاہ عقل و مذہب کی دشمن ہوتی ہے۔ اللہ نے فرمایا: ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما دیجیے، کیا اندھا اور بینا برابر ہو سکتے ہیں۔'' اس آیت میں اندھے سے وہ مراد ہیں' جو قلبی نظر سے محروم ہیں۔ کافروں کی ظاہر بین نظر نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صرف ظاہر دیکھا' رُوحانی قوتوں کو نہ دیکھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو ایک عظیم خزانہ تھے اِس میں اُنہیں صرف کوڑی اور دمڑی نظر آئی۔ ایک قطرہ جو دریائے وحدت کا پیغام بر بنا ساتوں سمندر اُس قطرے کے پابند ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کی مٹی چونکہ اللہ کے لیے چست بنی، اُس مٹی کے آگے مملوک نے سر رکھ دیا۔ مٹی کو دیکھ لے! تیزی سے عرش سے بھی اونچی چلی گئی۔ لطافت آب و گل کی نہیں، ایجاد کرنے والے خدا کی دین ہے۔ وہ حاکم ہے' جو چاہے وہ کرتا ہے۔ چاہے تو درد کو دوا بنا دے۔ آسمان کے راستے کو پیروں سے طے کرا دے۔ کس کی مجال کہ کہے ''کیوں'' تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ (جس کو چاہے عزت دے) ایک خاکی کو عرش پر بلا لیا اور آتشی کو کہا کہ جا شیطان بن کیونکہ میں تصرّف کرنے میں ہمیشہ باقی رہنے والا ہوں۔ میرا کام بغیر کسی علّت کے ہوتا ہے۔ کسی کسی وقت اپنی عادت کو بدل

نرم گوید سخت گوید خوش بگیر
(پیر) نرم بات کہے (یا) سخت خوشی سے قبول کر

تا کند بر جملہ میرانت امیر
تاکہ تجھے تمام سرداروں کا سردار بنا دے

دیتا ہوں۔ میں سمندر کو کہہ دوں آگ بن جا۔ آگ کو کہہ دوں گلشن بن جا۔

آیت "اگر تمہارا پانی نیچے اُتر جائے" پر فلسفی کا انکار

قرآن میں اللہ نے فرمایا ہے کہ اگر میں پانی کو پوشیدہ کردوں تو چشمے خشک ہو کر ریگستان بن جائیں۔ ایک فلسفی بولا: ہم زمین کھود کر پانی نکال لیں گے۔ رات کو فلسفی سویا تو ایک مرد کو دیکھا۔ اُس نے فلسفی کے منہ پر طمانچہ مارا اور دونوں آنکھوں سے اندھا کر دیا اور اُسے کہا: اگر تُو سچا ہے تو کھود کر روشنی نکال لے۔ اگر وہ توبہ کرتا اور روتا تو اللہ کی مہربانی سے نور ظاہر ہو جاتا لیکن توبہ بھی تو اپنے بس میں نہیں ہے۔ اس کے لیے بھی توفیقِ الٰہی کی ضرورت ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام جیسا کوئی کہاں ہے کہ اُن کی دُعا سے پہاڑ پر بونے کے لیے مٹی بن گئی یا مقوقس (شاہِ مصر) کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی وجہ سے پتھریلی زمین پیداوار والا کھیت بن گئی۔ اسی طرح بداعتقادی انسان کے دل کو پتھر بنا دیتی ہے۔ ہر دل کو سجدہ کرنے کی بھی اجازت نہیں ہے۔ لیکن خبردار! اس بھروسے پر گناہ نہ کر کہ میں توبہ کراوں گا۔ صرف وہی دُعا گناہ مٹاتی ہے جو سوزشِ دل اور آنسوؤں سے ہو۔ کیونکہ پھل پکنے کے لیے گرمی اور پانی کی ضرورت ہوتی ہے اور اعمال کا پھل دل کی گرمی اور آنکھ کے آنسوؤں سے پکتا ہے۔ جیسے موسم بہار کی بہاریں ابر و برق پر موقوف ہیں، اسی طرح دل کی کھیتی اندرونی سوزش اور آبِ چشم پر موقوف ہے۔ جب بہار آتی ہے تو چشمے بہہ نکلتے ہیں۔ اسی طرح دل کے سوتے دل کی گرمی اور رونے سے کھلتے ہیں۔ موسمِ بہار میں تو بہاران چمن کو خدا نیا لباس عطا فرماتا ہے۔

ایک عابد برگ و درختانِ سبز کو معرفتِ کردگار کا ذریعہ بتاتا ہے لیکن جو معرفت سے خالی ہے اُس کی نظر مصنوع پر جا کر رک جاتی ہے، صانع تک نہیں پہنچتی۔ نشانی سے وہ خوش ہوتا ہے جس نے شاہ کو دیکھا ہو۔ جس نے عہدِ الست کے وقت اپنے رَبّ کو دیکھا ہو وہی نشانیوں سے مست ہوگا۔ اسی طرح آیاتِ الٰہیہ سے اللہ کی ذات پر دلالت ہوتی ہے۔ ایک عارف کو آیات دیکھ کر ذاتِ حق یاد آ جاتی ہے۔ مثلاً اگر خواب میں کوئی آ کر تم سے کوئی وعدہ کرے اور نشانیاں بتا دے تو جب وہ نشانیاں سامنے آئیں گی تو تم پر کیسی کیفیت طاری ہوگی۔ مثلاً مقصد پورا ہو جانے کی پہلی نشانی یہ ہے کہ صبح کو ایک سوار آئے گا، دوسری یہ ہے کہ وہ بغل گیر ہوگا، تیسری یہ ہے کہ وہ ہنسے گا، چوتھی یہ ہے کہ وہ ہاتھ باندھ کر سامنے کھڑا ہوگا، پانچویں یہ ہے کہ تُو یہ خواب کسی سے بیان نہ کر سکے گا۔ حضرت زکریا علیہ السلام کو جب حضرت یحییٰ علیہ السلام کی پیدائش کی بشارت دی گئی تھی تو تین روز تک بات نہ کرنے کا حکم بھی دیا گیا تھا۔ یہ وہ ہے جس کے لیے وہ راتوں کو روتے رہے

آید از خواجہ رہ افگندگی ۔ نآید از بندہ بغیر از بندگی
آقا سے خاکساری کا طریقہ آتا ہے ۔ اللہ کے بندے سے بندگی کے سوا کچھ نہیں آتا ہے

اور صبح سویرے عاجزی سے دُعائیں کرتے رہے۔ اُنہوں نے اپنی نیند اور چہرے کی رونق سب اِس تمنا میں گنوادی۔ وہ آگ کی طرح جلتے رہے۔ کسی مطلوب کے عاشقوں کو اس طرح کی آزمائشوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔

اے شاہ سوار! تیری دولت ہمیشہ باقی رہے۔ عاشقوں پر رحم کر اُن کو معذور سمجھ۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ''جس نے کوشش کی اُس نے پایا''۔ عاشق مقصد حاصل ہونے کی جو جو نشانی دیکھتا، اُس میں جان پڑتی جاتی تھی جیسے پانی کو دیکھ کر مچھلی میں جان پڑ جاتی ہے۔ اُس کے لیے محبوب کی نشانیاں آیاتِ قرآن کی طرح یقینی ہیں۔ انبیاء علیہم السلام میں جو نشانیاں ہیں اُن سے وہی متاثر ہوتا ہے جس کو حق تعالیٰ سے شناسائی ہو۔ انبیاء علیہم السلام کی نشانیاں ذرّوں کی طرح بے شمار ہیں۔ دیوانہ عاشق اُن کو کیا گِن سکتا ہے۔ اُن کی لاتعداد نشانیوں میں سے کچھ بیان کی جاتی ہیں۔ اللہ کی ذات اور نشانیوں کا بیان صحیح طور پر ممکن نہیں۔ کوئی تجلی غیرت میں آگئی تو پھونک ڈالے گی۔ ہر قسم کا فائدہ اللہ کی مہربانی پر موقوف ہے۔ اُس کا ذکر کرو، یہ مُفید ہے۔ خواہ ہم اُس کی حمد و ثناء میں اُس کی شایانِ شان باتیں نہ بھی کہہ سکیں لیکن اُس کی ذات اور صفات کو ممکنات کی صفات سے تشبیہ دے کر سمجھا جاتا ہے۔ ظاہر ہے اُس کی ہر مثال ناقص ہوگی۔ خدا کی ذات مثالوں سے پاکیزہ ہے۔ لیکن چوں کہ انسان مادی چیزوں کو سمجھنے کا عادی ہوتا ہے اِس لیے مادی چیزوں کی مثال دے کر ہی اُس کو اللہ کی صفات سمجھائی جاسکتی ہیں۔ اگر اللہ کی تعریف میں ہم یہ کہیں کہ وہ انسان کی طرح عاجز نہیں ہے تو یہ ایسا ہی ہے کہ کسی بادشاہ کی تعریف میں ہم یہ کہیں کہ وہ جولاہا نہیں ہے۔

ایک چرواہے کی دُعا پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اِنکار

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک چرواہے کو راستے میں دیکھا۔ وہ کہہ رہا تھا: اے کریم! تُو کہاں ہے؟ تاکہ میں تیرا نوکر بنوں، میں تیرے جوتے سیوں، تیرے سر میں کنگھی کروں، تیرے کپڑے دھوؤں، تیری جوئیں ماروں، تجھے دودھ پیش کروں، اگر تُو بیمار ہو تو تیرا غم خوار بنوں، تیرے پیر دباؤں، تیرے ہاتھ چوموں، سوتے وقت تیرا بستر صاف کروں۔ اگر مجھے تیرے گھر کا پتہ مل جائے تو صبح و شام، دودھ اور گھی تیرے لیے لاؤں۔ میری ساری بکریاں تجھ پر قربان، تیری ذات کے لیے میری یہی آہ و زاری ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا: تُو کس سے مخاطب ہے؟ اُس نے کہا: جس نے ہمیں پیدا کیا اور یہ زمین و آسمان بنائے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بولے: تُو پاگل ہوگیا ہے۔ تُو یہ کیا کفر بک رہا ہے۔ اپنے منہ میں روٹی ٹھونس لے، تُو نے اپنی بکواس سے عالم کو بدبودار بنادیا ہے۔ کیا تُو جانتا ہے کہ خدا حاکم ہے؟ اور اس طرح کی خدمت سے بے نیاز ہے۔

پس ازاں عالم بدیں عالم چُناں
اِس عالم سے عالمِ آخرت تک

تعبیتہاست برعکس ایں بداں
بہت سی بناوٹی باتیں ہیں تو اُن کو اُلٹا سمجھ

اگر یہ گفتگو اُس بندے کے لیے ہے جس کے بارے میں خدا نے فرمایا ہے کہ ''وہ'' میں ہوں۔ میں بیمار ہوا تُو میرا حال پوچھنے نہ آیا کیونکہ ''وہ'' میں تھا۔ اللہ کے خاص بندے کے لیے بھی یہ گفتگو بے ادبی ہے، جس سے دل مردہ ہو جاتے ہیں۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جنت کی عورتوں کی سردار ہیں لیکن اگر تُو کسی مرد کو فاطمہ کہے گا تو وہ بُرا مان لے گا۔ ہاتھ پیر ہونا ہماری تعریف ہے خدا کی نہیں۔ چرواہا بولا: اے موسیٰ علیہ السلام! تُو نے تو میرا منہ سی دیا۔ شرمندگی سے میری جان جل رہی ہے۔ اُس نے کپڑے پھاڑے اور بیابان کی طرف نکل گیا۔

چرواہے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر خفگی

اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی آئی: تُو نے ہمارے بندے کو ہم سے جدا کر دیا، تُو دُنیا میں ملانے کے لیے آیا ہے نہ کہ جدا کرنے کے لیے۔ حدیث ہے: حلال چیزوں میں سے ''طلاق'' اللہ کو سب سے زیادہ ناپسند ہے کیونکہ طلاق سے میاں بیوی جدا ہو جاتے ہیں۔ ہر انسان اپنی اِستعداد کے مطابق اور اپنے الفاظ وجذبات میں تعریف کرتا ہے۔ جب دل میں عقیدت ہو تو اِس کی تعریف بہر حال مقبول ہے۔ اگر کوئی عام انسان جن الفاظ میں حمد کرے وہ باعثِ تعریف ہے لیکن وہی الفاظ اگر کوئی عالم استعمال کرے تو وہ اُس کی بُرائی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لونڈی سے پوچھا: خدا کہاں ہے؟ اُس نے جواب دیا: آسمانوں میں ہے۔ یہ کہنا اُس کے لیے نور بنا۔ حضور نے اُس کے اسلام کو معتبر مانا۔ اگر یہی جملہ کوئی عالم کہے تو کفر ہے۔ انسان جو کچھ بھی تقدیس میں کہتا ہے اللہ کی ذات اِس سے بلند ہے، لہٰذا جو کوئی بھی اِس معاملے میں کچھ کہے اُسے نہ روکو۔ اللہ کے حکم کی پابندی سے اللہ کا کوئی فائدہ نہیں۔ عمل کر کے بندہ اپنے آپ کو رحم کا مستحق بناتا ہے۔

ہر مُلک کے لوگ اپنی لغت میں اُس کی تعریف کر سکتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے ''ہم تمہاری صورتوں اور مالوں کو نہیں دیکھتے تمہاری نیتوں اور اعمال کو دیکھتے ہیں''۔ ہم تو صرف عاجزی کے طلب گار ہیں، چاہے گفتگو عاجزی کی نہ ہو۔ منہ سے بولنا اور دل میں چُھپانا کب تک؟ ہمیں تمہارا سوز چاہیے۔ اے موسیٰ علیہ السلام! آداب جاننے والے دوسرے ہیں اور سوختہ جان دوسرے۔ عاشقوں کا کام ہمیشہ جلنا ہے۔ اگر وہ غلط بات بھی کہتے ہیں تو اُن کو خطا کار نہ کہو۔ شہید خون میں لتھڑا ہو تو اُس کو نہ دھو۔ کعبہ کے اندر قبلہ رُو ہونے کی رسم نہیں ہے۔ عشق کا مذہب تمام مذہبوں سے جدا ہے۔ عاشقوں کا مذہب اللہ تعالیٰ ہے۔ عاشق غم سے غمگین نہیں ہوتا۔

شیخ فعالست بے آلت چو حق پیر اللہ کی طرح بغیر آلے کے تصرف کرتا ہے	با مُریداں دادہ بے گفتے سبق اور بغیر بولے مریدوں کو سبق دے دیتا ہے

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی آنا، گڈریے سے معذرت کے سلسلہ میں

اللہ نے اُس کے بعد موسیٰ علیہ السلام کے دل میں اپنی بہت سی باتیں ڈال دیں، وہ باتیں جو بیان نہیں کی جا سکتیں۔ مُشاہدہ اور گفتگو کو ملا دیا اور ازل سے ابد تک پرواز کروا دی۔ آگے کی تشریح عقل سے بالاتر ہے۔ اگر تشریح کروں تو قیامت تک بھی تھوڑی سی بیان ہو۔ مجبوراً میں نے اپنی زبان کوتاہ کر لی ہے۔ اگر تُو چاہتا ہے تو اپنے اندر سے پڑھ لے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کی یہ ناراضگی سُنی تو گڈریے کی تلاش میں بھاگ پڑے۔ اُس کے قدموں کے نشان ڈھونڈتے تھے لیکن دیوانوں کے پیروں کی رفتار دوسروں سے جدا ہوتی ہے۔ وہ کبھی سَر اُٹھائے بھاگتا ہے، کبھی پیٹ کے بل سرکتا ہے۔ مجنوں لیلیٰ کا نام زمین پر لکھتا پھرتا تھا۔

آخر کار اُس کو پالیا اور کہا: تمہیں مُبارک ہو، اجازت آگئی ہے۔ تُو جیسے چاہے اُسے یاد کر۔ تیرا کفر دین ہے اور تیرا دین جان کا نور ہے۔ اب تُو بے تامل زبان کھول۔ وہ بولا: اے موسیٰ علیہ السلام! میں بولنے سے گزر گیا ہوں۔ میں سِدرَۃُ المُنتَہٰی سے آگے گزر گیا ہوں۔ تُو نے کوڑا مارا تو میرا گھوڑا جست لگا کر آسمان سے پار ہو گیا۔ اب میری حالت بیان سے باہر ہے۔

ہر شخص آئینے میں اپنا ہی عکس دیکھتا ہے۔ اللہ تو اس بات پر قادر ہے کہ اپنی تعریف اپنی شان کے مطابق کردے۔ ہم میں یہ استعداد نہیں ہے۔ ہم جو بھی تعریف کرتے ہیں گڈریے کی طرح کی تعریف ہے۔ ہماری تعریف خدا کے اعتبار سے ناقص ہے، جو تعریف تمہارے اعتبار سے بہتر بھی ہے کاش اس کی بجائے تمہارے دل میں سوز و گداز ہو۔ قیامت کے دن جب حجابات اُٹھ جائیں گے تو تمہیں پتہ چل جائے گا کہ ذاتِ باری وہ نہ تھی جو تم نے سمجھی تھی۔ ہماری ناقص تعریف کو اللہ اپنی رحمت سے قبول کر لیتا ہے۔ ہماری باطنی نجاست صرف رحمت کے پانی ہی سے دُھل سکتی ہے۔ سجدہ میں ہم جب سُبحَانَ رَبِّیَ الاَعلٰی کہتے ہیں، تو کہتے ہیں ہمارا سجدہ تیرے لائق نہیں۔ یہ سجدہ خدمت میں پیش کرنا گُستاخی ہے لیکن تیری ذات وہ ہے کہ جو بُرائی کا بدلا بھلائی سے دیتی ہے۔

اللہ نے قرآن میں فرمایا ہے ”اللہ اُن کی بُرائیوں کو بھلائیوں میں بدل دیتا ہے“۔ اللہ کی صفتِ حلم زمین میں پائی جاتی ہے۔ ہم اِس پر گندگی پھینکتے ہیں یہ وہاں پھول اُگا دیتی ہے۔ قیامت کے دن کافر سمجھے گا کہ وہ زمین سے بھی بدتر ہے۔ زمین بُرائی کا بدلہ بھلائی سے دیتی ہے اور اُس (کافر) نے اللہ کی نعمتوں کے بدلے میں کفر کیا۔ زمین نے ناپاکیوں کو پاک کیا' کافر نے پاکیوں کو ناپاک کیا۔ وہ قیامت میں کہے گا کاش میں مٹی ہوتا کہ بُرائی کا بدلہ بھلائی سے

دِل بدستِ اُو چو موم نرم رام — مُہر او گہ ننگ سازد گاہ نام

دل اُسکے ہاتھ میں موم کی طرح نرم ہوجاتا ہے — اور اُس پر کبھی قبض کی اور کبھی بسط کی کیفیت طاری ہوتی رہتی ہے

دے سکتا۔ جمادات سے ہی ترقی کر کے نوعِ حیوانی وجود میں آئی۔ زمین میں دانہ ڈالتے ہیں تو پھل پھول اُگا دیتی ہے۔ سفر کی حالت میں انسان کی صحیح فطرت ظاہر ہو جاتی ہے۔ مٹی بن جانے کی خواہش اگر عجز و نیاز سے ہو تو اللہ کو بہت پسند ہے جیسا کہ بعض بزرگوں سے اس کا اظہار ہوا۔

مجھے خاک میں ملا کر میری خاک بھی اُڑا دے
تیرے نام پر مٹا ہوں مجھے کیا غرض نشاں سے (بیدم وارثی رحمۃ اللہ علیہ)

تمہاری رُوح کا میلان ہمیشہ عالمِ بالا کی طرف ہونا چاہیے۔ رُوح کو اوندھا نہ کر۔ غروب ہو جائے گا اور لَا اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ "میں غروب ہونے والوں کو پسند نہیں کرتا۔"

حضرت موسٰی علیہ السلام کا ظالموں کے غلبے کے راز کا سوال کرنا

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی: اے کارساز کریم! میں اِس دُنیا میں ہونے والی اچھی بُری چیزوں کے بارے میں پوچھتا ہوں کہ اِس میں آپ کا مقصد کیا ہے کہ ایک نقش بنانا اور پھر اُس میں فساد کا بیج بو دینا۔ ظلم، فساد، خون خرابہ، میں جانتا ہوں کہ اِس میں تیری حکمت ضرور ہے لیکن میں یہ راز معلوم کرنا چاہتا ہوں جیسے تُو نے فرشتوں پر اپنا راز ظاہر کر دیا تھا۔ تُو نے آدم علیہ السلام کو کھلم کھلا علم میں فرشتوں کے سامنے پیش کر دیا اور اُن کے شکوک رفع فرما دیے۔ اُن کو سمجھا دیا کہ انسان کے متضاد قویٰ ہی خلافتِ خداوندی کے اہل اور صفاتِ خداوندی کا مظہر ہو سکتے ہیں۔

ہر چیز کی خوبی اُس کے انجام سے ظاہر ہوتی ہے۔ قیامت میں معلوم ہوگا کہ موت جیسی تلخ چیز کے پیدا کرنے میں خدا کی حکمت یہ تھی کہ وہی اُخروی نعمتوں کے حصول کا سبب بنے۔ خون اور نطفہ جیسی گندی چیزوں کے قوام کا حُسن جب ظاہر ہوتا ہے، جب انسان جوان اور حسین بن جاتا ہے۔ تختی پر سب سے پہلے نقش مٹا دیا جاتا ہے پھر اُس پر حسین نقش بنائے جاتے ہیں۔ انسان رو رو کر دل کو خون بنا دیتا ہے تو پھر اُس پر اَسرار نمودار ہوتے ہیں۔ عقل مند انسان نقصان میں چھپے ہوئے فائدے کو سمجھ جاتا ہے۔ قدرت نے تخریب میں تعمیر کا راز چُھپا رکھا ہے۔ دین دار اپنے آپ کو تکلیف میں اِسی لیے مبتلا کرتا ہے کہ آخرت میں راحت میسّر آئے۔

انسان نفس کی خواہشوں کے خلاف عمل کرتا ہے تو جنت پاتا ہے۔ شہوتوں کو پورا کرنے میں لگا رہتا ہے تو دوزخ میں جاتا ہے۔ جنگوں کی مشقتیں برداشت کرنے کے بعد تختِ شاہی حاصل ہوتا ہے۔ محنت کی کمائی پر صبر کرنے سے

از حدیثِ اولیاء نرم و درشت
اولیاء کی نرم اور سخت بات سے

تن مپوشاں زانکہ دینت راست پُشت
پہلو تہی نہ کر کیونکہ وہ تیرے دین کی پُشت پناہ ہیں

انسان دولت کا مالک بنتا ہے۔ جب محنت و مشقت کے بعد راحت ہے تو ظالموں کی پیدائش، مظلوموں کی راحت کا سبب بنے گی۔ ظالموں کی پیدائش میں یہی حکمت ہے۔ جب تک انسان ظاہری حواس کی قید و بند میں ہے اُس کی نظر اسباب پر ہوتی ہے۔ اُس کو اَسباب اختیار کرنے ضروری ہیں۔ جب حواس سے آزاد ہو جاتا ہے تو ہر چیز کو بغیر اَسباب کے قدرتِ الٰہی سے سمجھتا ہے۔ تب اُس کے لیے ترکِ اَسباب جائز ہے۔ اِسی وجہ سے انبیاء ﷺ کے معجزات اَسباب سے متعلق نہیں ہوتے بلکہ محض اللہ کی قدرت سے اُن کا ظہور ہوتا ہے۔ ریاضات کی وجہ سے ظاہری حواس سے انسان آزاد ہو جاتا ہے تو تمام اشیاء کو بھی وہ اللہ کی قدرت سے سمجھتا ہے، اَسباب سے متعلق نہیں کرتا۔

عام انسانوں کے لیے اَسباب کا اِختیار کرنا ایسا ہی ضروری ہے جیسا مریض کے لیے طبیب لیکن کاملین (اَسباب) اِختیار کرنے سے پاک ہو جاتے ہیں۔ دراصل خاص مقام اور تجلی پیدا نہ ہونے کی وجہ جسم پروری ہوتی ہے۔ علم و معرفت رُوح کا حصہ ہے۔ نَفس اِس سے بے بہرہ ہے۔ نَفس خواہشات کے لیے واویلا کرتا ہے، تُو اُن کو پورا کر دیتا ہے۔ یاد رکھ! رُوح کی پرورش کر، نَفس کو رُوح پر غالب نہ بنا۔ جس طرح حدیث میں عورتوں کے بارے میں ہے "موخر کرو اُن کو جب کہ موخر کیا ہے اُن کو اللہ نے" اِسی طرح نَفس کو عقل سے موخر رکھنے کا حکم ہے۔ اگر تُو عقل سے نَفس کو مغلوب بنا دے گا تو نَفس میں بھی عقل کے خواص پیدا ہو جائیں گے۔ جب انسان کی رُوح کمزور ہو تو نَفس کو بہت زیادہ غلبہ حاصل ہو جاتا ہے۔ شیخ کا کام مردہ رُوحوں کو زندہ کرنا ہوتا ہے۔ اُس کی تربیت میں کسی بات سے دل کو رنج بھی پہنچے تو برداشت کرنا چاہیے کیونکہ ذریعہ صحت وہی ہے۔

اے عیسیٰ علیہ السلام! یہود نے آپ کے ساتھ کیا کیا؟ اے یوسف علیہ السلام! بھائیوں نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ لیکن آپ لوگوں کا کام تو درگذر کرنا ہی ہے۔ اِسی طرح شیخ کی توجہ، رُوح کو بالیدگی بخشتی ہے لیکن صفراوی مزاج والے بدکردار لوگ ہمیشہ حسد کے دردِ سر میں مبتلا رہتے ہیں۔ جس طرح سورج باوجود نالائقوں کے سب کو منوّر کرتا ہے اِسی طرح، اے شیخ! آپ بھی اپنے مریدوں کی بدکرداریوں کی وجہ سے اُن کو فیض سے محروم نہ کر دیں۔ ہم اِسی قابل ہیں کہ ہم سے آپ کو تکلیف پہنچے لیکن حضور ﷺ نے فرمایا: اے اللہ! میری قوم کو ہدایت دے دے۔ عقل مند کی سختی سے نالائقوں کی اِصلاح ہوتی ہے کیونکہ عقل مند علم و معرفت پر عمل کرتا ہے اور جاہل محض زبان ہی سے ذکر کرتا ہے۔ اس لیے عقل مندوں سے دوستی اچھی ہے۔ نادان دوست سے دانا دشمن بہتر ہوتا ہے۔

گرم گوید سرد گوید خوش بگیر　　تا ز گرم و سرد بجہی وز سعیر
گرم کہیں یا سرد کہیں خوشی سے تسلیم کر　　تاکہ گرم و سرد جہنم سے نجات پالے

ایک امیر کا اُس سونے والے کو تکلیف دینا جس کے مُنہ میں سانپ گھُس گیا تھا

ایک عقل مند گھوڑے پر سوار کہیں جا رہا تھا۔ اُس نے دیکھا کہ ایک سوئے ہوئے آدمی کے منہ میں سانپ گھس رہا تھا۔ اُس کو زور زور سے کوڑے مارنے لگا۔ وہ اُٹھا، سوار اُس کو مارتا ہوا ایک سیب کے درخت تک دوڑاتا لے گیا۔ وہاں بہت سے سیب اُسے کھانے کو کہا۔ اتنے کھلائے کہ منہ سے باہر نکلنے لگے۔ وہ چیخا کہ اے سردار! کیوں میری جان کے دشمن بنے ہو؟ ایک ہی دَم تلوار مار کر ختم کردو۔ کیوں بے خطا مجھ پر ظلم کر رہے ہو؟ سوار نے پھر اُسے کوڑے مارنے شروع کئے اور اُسے بھگایا۔ دوڑتے دوڑتے اُسے زبردست قے آئی کیونکہ اُس کا پیٹ بھرا ہوا تھا۔ سب کچھ کھایا ہوا باہر نکل آیا تو سانپ بھی اُس میں باہر نکل آیا جب اُس نے اپنے پیٹ میں سے سانپ نکلتا دیکھا تو سوار کے سامنے سجدہ ریز ہوگیا۔ اِسی طرح اللہ کی قدرت کے راز قیامت میں کھلیں گے۔ حضور ﷺ کے مقام کا بھی اُس وقت منکرین کو پتہ چل جائے گا۔ جان لو کہ سوار نے عقل مندی سے اُس کے پیٹ کا سانپ نکال دیا۔ اِس لیے عقل مند کی دشمنی بے وقوف کی دوستی سے بہتر ہوتی ہے۔

ایک شخص کا ریچھ کی چاپلوسی اور وفاداری پر بھروسہ کرنا

ایک اژدہا ایک ریچھ کو پکڑ کر کھینچ رہا تھا۔ ایک بہادر نے دیکھا تو اُس کی مدد کو پہنچا۔ بہادروں کا کام ہی یہ ہے کہ وہ مظلوموں کی مدد کو دوڑیں۔ بہادروں کی محبت بغیر کسی غرض اور رشوت کے ہوتی ہے۔ اُن کا مقصود ہی مہربانی کرنا ہوتا ہے۔ وہ مہربانی کرنے کی اِس طرح جستجو کرتے ہیں، جیسے شکاری، شکار کی۔ دوا کا محل درد ہے، اِسی طرح بخشش وعطا کا محل فقر ہے۔ پانی کا محل نشیب ہے۔ پیاس پیدا کرو تاکہ پانی تم تک پہنچے۔ قرآن میں ہے کہ "اپنے اندر پستی پیدا کرو، رحمت کے پانی کا محل بن جاؤ گے۔" کسی مقام پر نہ رکو، فضلِ بے پایاں کے طالب رہو۔ اِس قدر مجاہدے کرو کہ آسمان تمہاری قدم بوسی کرنے لگے۔ پھر اَسرارِ حق سُن سکو گے۔ چشمِ بصیرت کو وسواس کے پڑبال سے صاف کرلو تاکہ اَسرارِ غیب دیکھ سکو۔ حواسِ باطنہ کو نفسانی خواہشوں سے صاف کرلو تب عالَمِ غیب کی لذتوں سے مُستفید ہوگے۔ اعلیٰ صلاحیتیں پیدا کرو تاکہ خود مظہرِ کمالات بن سکو۔ تمہارا جسم تمہارے لیے بیڑی ہے۔ اِس بیڑی کو اُتار پھینک پھر تجھے نیا نصیبہ حاصل ہوگا۔

خدا کی رحمت کو متوجہ کرنے کا سب سے قوی سبب انسان کی گریہ وزاری ہے۔ ماں بچّے کو دودھ پلانے کا بہانہ ڈھونڈتی ہے۔ اللہ نے انسان کے پیچھے ضرورتیں لگادی ہیں جن کی بدولت انسان گریہ زاری کرتا ہے۔ گویا ضرورتیں

مثل بچہ کے ہیں۔ اللہ کے کاموں میں لگنے کی وجہ سے رزق کی کمی کا اندیشہ شیطانی وسوسہ ہوتا ہے۔ شیطان تمہیں فقر سے ڈراتا ہے۔ لیکن نظر ہمیشہ نتیجہ پر ہونی چاہیے۔ جو آواز تمہیں عالمِ بالا کی طرف لے جانا چاہے اُسے عالمِ بالا کی آواز سمجھو۔ جو آواز لالچ پیدا کرے اُسے بھیڑیئے کی آواز جان۔ عزت کی بلندیاں جگہ کے اعتبار سے نہیں ہوتیں بلکہ عقل و جان کی طرف سے ہوتی ہیں۔ چقماق کی وجہ سے چنگاریاں بنتی ہیں۔ اُس کو شرفِ زمانی حاصل ہے لیکن مقصود چونکہ چنگاریاں ہیں اس لیے وہ مقدم ہیں۔ شاخ کو پھل پر تقدمِ زمانی حاصل ہے لیکن شرف میں پھل مُقدم ہے۔

اژدہے میں طاقت تو تھی تدبیر نہ تھی۔ بہادر میں طاقت بھی تھی اور تدبیر بھی۔ بہادر اژدھے پر غالب آ گیا۔ لیکن انسان کو اپنی تدبیر پر گھمنڈ نہیں کرنا چاہیے کیونکہ خدا کی تدبیر انسان کی تدبیر سے زیادہ قوی ہے۔ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ (بے شک اللہ تدبیر کرنے والوں میں سب سے بہتر ہے) اس لیے اپنی تدبیر کو بھی خدا کی عطا کردہ سمجھو۔ مصائب میں پھنس کر ذاتِ حق سے غفلت ہو جاتی ہے لیکن جب انسان اس کو من جانب اللہ سمجھ لیتا ہے تو غم کا ازالہ بھی ہو جاتا ہے۔ یہی نور ہے۔ اپنی آنکھ کو نورِ معرفت کا عادی بنانا چاہیے۔ جس شخص کو نورِ معرفت حاصل ہو جاتا ہے۔ وہ ہمیشہ انجام پر نظر رکھتا ہے۔ فوری شہوتیں پوری کرنے سے آخرت کی خوشیاں مُعدوم ہو جاتی ہیں۔ عاقبت میں شیخ قدرت کے صدہا جلوے دیکھتا ہے۔ اِنتہائی بے وقوفی ہے کہ قدرت کا معمولی کرشمہ دیکھ کر اپنے آپ کو شیخِ کامل سے مُستغنی سمجھ لیا جائے۔

سامری نے نیل عبور کرتے ہوئے فرشتے کے گھوڑے کی تاثیر دیکھی کہ اُس کے قدم کے نیچے سبزہ اُگ پڑتا۔ اُس نے اِس مٹی سے یہ کام لیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی غیر حاضری میں چاندی سونے کا بچھڑا بنا کر وہ مٹی اُس پر ڈالی۔ اُس میں زندگی کے آثار پیدا ہو گئے تو قوم کو اس کی پرستش پر لگا دیا اور موسیٰ علیہ السلام سے مقابلہ کرنے لگا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُسے بددعا دی تو یہ حال ہو گیا کہ کسی کے جسم سے اُس کا جسم مل جاتا تو اُسے بخار ہو جاتا۔ بعض اوقات انسان بھلائی کے لیے تدبیر کرتا ہے وہی اُس کی ہلاکت کا باعث بن جاتی ہے۔ اس ہلاکت سے بچنے کا یہی طریقہ ہے کہ اپنے آپ کو شیخ کے حوالے کر دیا جائے۔ مرید میں چاہے جو بھی کمالات ہو جائیں اُس کا شیخ سے گہرا تعلق ضروری ہے۔ اپنے آپ کو شیخ سے مُتحد کر دو۔ اِنسان اِس دھوکے میں تباہ ہو جاتا ہے کہ اپنے جیسے انسان کو شیخ کیسے بنا لے۔ شیخ کی رضامندی شکر کی طرح ہے۔ اگر شیخ کا دامن تھامے رہو گے تو تمہیں وساوس کی ہلاکت سے نجات مل جائے گی۔ اگر تم میں صلاحیت نہیں تو گریہ وزاری کرو۔ اللہ کسی شیخ کی طرف رہبری کر دے گا۔ ریچھ چیخا چلایا تو بہادر اُس کی مدد کو پہنچا۔

چہ غلام ار بر درے سگ باوفاست | در دلِ سالار اُو صد رضاست
غلام کیا، اگر دروازے پر کتا وفادار ہے | آقا کے دل میں اُس کے لیے سینکڑوں رضامندیاں ہیں

ایک اندھے بھکاری کا لوگوں سے یہ کہنا کہ وہ دو اندھے پن رکھتا ہے

ایک اندھا کہہ رہا تھا: اے لوگو! میں دو گنا اندھا ہوں۔ مجھ پر دو گنا رحم کرو۔ لوگوں نے پوچھا: یہ دو گنا اندھا پن کیا ہے؟ ایک اندھا پَن تو نظر آ رہا ہے۔ دوسرا کہاں ہے؟ وہ بولا: دوسرا اندھا پَن یہ ہے کہ میرے قول اور نالہ میں درد نہیں ہے، اِس لیے دو گنا رحم کے قابل ہوں۔ لوگوں کو اُس کی پُر درد گفتگو سُن کر اُس پر رحم آ گیا۔ چونکہ اُس نے شکوہ دردمندوں کے سامنے کیا لہٰذا اُس کا اثر ہوا۔

اگر کسی کی آنکھ اندھی ہو، آواز میں بُھد اپن ہو اور فریاد میں درد بھی نہ ہو تو تین اندھے پن جمع ہو جاتے ہیں۔ لیکن تین قسم کے اندھے کو مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ وہ بخشش کرنے والے جو بغیر سبب دیتے ہیں، ہوسکتا ہے اُس کے بدنصیب سر پر ہاتھ رکھ دیں۔ جب ریچھ کی فریاد اُس کے بچاؤ کا سبب بن گئی تو تیرا رونا بھی ایسا ہونا چاہیے کہ ناپسندیدہ نہ ہو۔ قرآن میں ہے کہ کافروں سے کہا جائے گا ”دور رہو۔ اِسی میں پڑے رہو۔ مجھ سے کلام نہ کرو“۔ یہ کفار سے اُس وقت کہا جائے گا جب وہ جہنم سے نکلنے کے لیے واویلا کریں گے۔ اُن کے قبول نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اُنہوں نے حقوق النفس یا حقوق العباد کو تلف کیا۔

ریچھ کی وفاداری پر بھروسہ کرنے والے کا بقیّہ قصّہ

ریچھ نجات پا کر اُس بہادر کا ساتھی بن گیا۔ تھکن کی وجہ سے وہ نیک آدمی لیٹ گیا اور تعلق خاطر کی وجہ سے ریچھ اُس کا محافظ بن گیا۔ ایک شخص وہاں سے گزرا تو پوچھا: یہ ریچھ تیرا کون ہے؟ اُس نے ساری بات بتائی تو وہ شخص بولا: ریچھ سے دل نہ لگا کیونکہ بے وقوف کی دوستی دشمنی سے بدتر ہوتی ہے۔ بہادر نے کہا: تُو یہ بات حسد کی وجہ سے کہہ رہا ہے۔ ریچھ کو نہ دیکھ اُس کی محبت کو دیکھ۔ وہ بولا: بے وقوفوں کی محبت فریب دینے والی ہوتی ہے۔ میرے ساتھ آ جا۔ ہم جنس کو نہ چھوڑ۔ بہادر بولا: اے حاسد! جا اپنا کام کر۔ وہ بولا: بھلے آدمی ریچھ کو چھوڑ دے تاکہ میں تیرا دوست بن جاؤں۔ میرے دل میں تیرے متعلق خطرہ ہے، میرا یہ خطرہ خواہ مخواہ نہیں ہے، اللہ کے نور کی وجہ سے ہے۔ میں مومن ہوں اور اللہ کے نور سے دیکھتا ہوں۔ نصیحت کرنے والے نے ریچھ والے کا ہاتھ پکڑا لیکن اُس نے اُس سے ہاتھ چھڑا لیا۔ چونکہ وہ بد دماغ تھا، نصیحت کرنے والے کے بارے میں کوئی بھلا خیال اُس کے دل میں نہ آیا۔ اس کی بجائے اُس کا نیک گمان ریچھ پر تھا۔ بدبختی کی وجہ سے وہ جہل کا تابع بن گیا۔

مرسگے را لقمۂ نانے ز در	چوں رسد بر در ہمی بندد کمر
کسی کتے کو کسی دروازے سے روٹی مل جاتی ہے	تو وہ اُسی دروازے پر کمربستہ غلامی کرتا ہے

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک بچھڑے کو پوجنے والے سے فرمانا کہ تیری سمجھ کہاں گئی؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب بنی اسرائیل کے ساتھ دریائے نیل پار کیا تو بطور معجزہ راستہ بالکل خشک ہو گیا تھا۔ میدان تیہ میں بنی اسرائیل پر چالیس سال تک آسمان سے من وسلویٰ اُترتا رہا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا کی ضرب سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے بہت سے معجزے عطا فرمائے تھے۔

بنی اسرائیل میں سے ایک جادوگر سامری نامی نے دریا پار کرتے وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام کے گھوڑے کے قدموں کی مٹی حاصل کر لی اور دھات سے بنے ہوئے بچھڑے کے بُت پر ڈال دی، جس سے اُس میں زندگی کے آثار پیدا ہو گئے۔ اس طرح سامری نے بنی اسرائیل کو گمراہ کر دیا۔ اُن میں سے ایک سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا: اے بدبخت! تُو نے میرے اتنے معجزے دیکھے اور پھر بھی میری پیغمبری پر شک کیا اور سامری کی جادوگری کا قائل ہو گیا۔ کیا بچھڑا خدائی کے لائق ہو سکتا ہے؟ تُو نے اللہ کے نور سے آنکھیں چرائیں۔ تیری عقل پر تُف ہے۔ بچھڑا صرف بولا تو تُو نے اُسے مان لیا اور میرے تعجب خیز معجزے دیکھے اور بھول گیا۔

لغو لوگوں کو لغو چیز ہی اچھی لگتی ہے۔ ہر جنس اپنی جنس کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔ بھیڑیا حضرت یوسف علیہ السلام کا ساتھی کب ہو سکتا ہے لیکن اگر بھیڑیے پَن سے نجات حاصل کر لے تو اصحابِ کہف کے کتے کی طرح انسان بن جاتا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نیک سیرت تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کو دیکھ کر ہی پکار اُٹھے کہ یہ چہرہ جھوٹا نہیں ہے۔ ابوجہل اصحابِ درد میں سے نہ تھا شقُّ القمر پر بھی یقین نہ کیا۔ انسان کا آئینۂ دل صاف ہو تو اچھی بُری صورت میں امتیاز کیا جا سکتا ہے۔

نصیحت کرنے والے انسان کا حد درجہ نصیحت کے بعد ریچھ سے دھوکے میں پڑے ہوئے آدمی کی نصیحت کو ترک کر دینا

اُس مسلمان نے بے وقوف ریچھ والے پر لاحول پڑھی اور نصیحت کرنا بند کر دی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا گیا کہ ''اُن سے اعراض کریں'' کیونکہ اُن پر نصیحت بے اثر ہو گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قریش کے سرداروں کو قرآن سُنا رہے تھے۔ اس اثنا میں صحابی اُمِ مکتوم رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے اور قرآن سنانے کی فرمائش کی، یہ صحابی نابینا تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر ناگواری کے آثار پیدا ہوئے اور اُن سرداروں سے گفتگو کو ختم کرنا پسند نہ کیا تو سورۂ عبس نازل ہوئی۔ اللہ کو اُمِ

هم براں دَر باشدش باشش و قرار
اُسی دَروازے پر اُس کی بُود و باش ہوتی ہے

کُفر داند کرد غیرے اختیار
اور کسی غیر کی طرف دیکھنے کو وہ کفر سمجھتا ہے

مکتوم ﷜ کی محبت پسند آئی فرمایا: اے احمد ﷺ! اللہ کے نزدیک یہ اندھا سینکڑوں بادشاہوں سے زیادہ بہتر ہے۔ یہاں مال مُفید نہیں ہے، عشق سے اور آہ سے بھرا سینہ درکار ہے۔ اگر کافر سردار آپ کو نہیں مانتے تو نہ مانیں۔ چمگادڑوں کی سورج سے نفرت اُس کے روشن ہونے کی دلیل ہے۔ گوبر کا کیڑا اگر گلاب سے رغبت کرنے لگے تو اُس کا گلاب ہونا مشکوک ہو جائے گا۔ کامل کا انکار تو اُس کے کمال کی دلیل ہے۔

ایک دیوانے کا جالینوس کی خوشامد کرنا اور جالینوس کا اُس سے خوف زدہ ہونا

جالینوس نے اپنے شاگرد سے جنون کی دوا مانگی۔ شاگرد بولا: اے صاحبِ کمالات! آپ جنون کی دوا مانگتے ہیں؟ اُس نے کہا: مجھے ایک دیوانے نے غور سے دیکھا ہے۔ اگر مجھ میں اُس کی جنسیت نہ ہوتی تو وہ کب میری طرف توجہ کرتا، کوئی ایسی بات ضرور ہوگی جو مجھ میں اور اُس میں مشترک ہوگی۔ اِسی لیے وہ میری طرف متوجہ ہوا ہے۔

ایک پرندے کے غیر جنس پرند کے ساتھ رہنے کا سبب

ایک عقل مند نے جب ایک کوے اور لقلق کو اکٹھے دیکھا تو حیران ہوا۔ جستجو کی کہ اِن میں قدرِ مشترک کیا ہے؟ جس کی وجہ سے یہ اکٹھے ہیں۔ غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ دونوں لنگڑے ہیں۔ ساتھ رہنے کے لیے قدرِ مشترک کا ہونا ضروری ہے۔ نبی جو کہ عرش کا شہباز ہے اور منکر جو کہ زمین کا اُلو ہے، کیسے مانوس ہو سکتے ہیں۔ علّیین کا خورشید سجّین کی چمگادڑوں کے لیے اجنبی ہے۔ ایک وہ جو اپنے کرم سے مخلوق کو شرمندہ کرتا ہے، وہ اپنی بے سروسامانی پر شرمندہ کے برابر کیسے ہو سکتا ہے۔ اگر گندگی کا کیڑا باغ کی خوشبو سے بھاگے تو وہ نفرت باغ کا کمال ہے۔ اللہ کے نیک بندوں کی غیرت کا تقاضہ یہ ہے کہ خدا کے دشمن اُن سے دُور رہیں۔ بُروں کا بھلوں سے میل، بھلوں کے نقصان کا سبب بنتا ہے۔

آنحضور ﷺ کا سینہ مُبارک کئی بار شق کیا گیا تاکہ اُن کو مکمل طور پر پاک کر دیا جائے۔ یہ منشائے الٰہی تھا تاکہ دوسرے اُن کی برابری کا دعویٰ نہ کر سکیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کے دو کمالات تھے ایک تو فرشتوں کا اُنہیں سجدہ کرنا جو کہ مقبول مخلوق تھی اور دوسرے شیطان کا سجدہ سے انکار کیونکہ وہ نامقبول مخلوق تھی۔ اگر شیطان بھی سجدہ کر دیتا تو آدم علیہ السلام کا دوسرا کمال مفقود ہو جاتا۔ حضرت آدم علیہ السلام کے کمال پر جس طرح فرشتوں کا سجدہ گواہ ہے اُسی طرح شیطان کا انکار بھی گواہ ہے۔

چوں فراموشت شود تدبیرِ خویش
جب تیری تدبیر ناکام ہو جائے

بخت یابی اے جواں از پیرِ خویش
تو اپنے پیر سے نصیبہ حاصل کر لے

ریچھ کی چاپلوسی پر بھروسہ کرنے کا بقیہ

وہ شخص سو گیا اور ریچھ اُس کی مکھیاں اُڑاتا تھا۔ ضد سے مکھیاں پھر واپس آجاتی تھیں۔ ریچھ کو مکھیوں کی اس حرکت پر بہت غصہ آیا۔ اُس نے پہاڑ سے ایک بھاری پتھر اُٹھایا اور اُس شخص کے منہ پر بیٹھی ہوئی مکھیوں پر مارا اور اُس کے منہ کا قیمہ بنا دیا۔ بے وقوف کی دوستی ریچھ کی دوستی جیسی ہوتی ہے۔ اُس کا عہد و پیمان مضبوط نہیں ہوتا۔ اُس کی باتیں زیادہ مگر وفاداری کمزور ہوتی ہے۔ بے وقوف کی عقل پر اُس کا نفس حاکم ہوتا ہے اور وہ حاکم کی کسی قسم کی پابندی برداشت نہیں کرتا اور عہد کو توڑتا رہے گا۔ مومنوں سے اللہ کا خطاب ہے ''اپنے عہدوں کی حفاظت کرو''۔ جو شخص یہ سمجھ لے کہ عہد کس سے کرتا ہے تو وہ عہد کی خوب حفاظت کرتا ہے۔ بعض بندگانِ خدا فنائیت کے اُس مقام پر ہوتے ہیں کہ اُن کے ساتھ کیا ہوا عہد اللہ کے ساتھ سمجھا جاتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیمار صحابی کی بیمار پُرسی اور بیمار پُرسی کا فائدہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی بیمار پڑے گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُن کی عیادت کے لیے گئے۔ عیادت کے بہت سے فائدے ہیں پہلا تو یہ کہ ہو سکتا ہے بیمار شخص برگزیدہ بندہ ہو، جب تیری آنکھ باطن کو دیکھنے والی نہیں ہے تو ہر وجود میں خزانہ سمجھ۔ دُنیا اولیاء رحمہم اللہ سے خالی نہیں، تلاش جاری رکھو اگر مل جائے تو جان قربان کردو۔ بیمار اگر دشمن ہے تو دوست بن جائے گا۔ اچھا معاشرہ پیدا کر اور ہر چھوٹے بڑے کی عیادت کر۔ تمہارے لیے بہتر ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس وحی آنا ''تو میری بیمار پُرسی کو کیوں نہ آیا؟''

موسیٰ علیہ السلام کے پاس اللہ کی ناراضگی پہنچی کہ ید بیضا رکھتا ہے اور خدائی نور سے ناواقف ہے، میں بیمار ہوا تُو پوچھنے نہ آیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اے اللہ! تُو تو ہر نقصان سے پاک ہے۔ یہ کیا راز ہے؟ اللہ نے فرمایا: ''میرا ایک خاص بندہ بیمار ہوا۔ وہ ''میں'' ہی تھا۔ اُس کی بیماری میری بیماری ہے''۔ تُو اگر اولیاء رحمہم اللہ کے پاس حاضر ہو گا تو میرا ہم نشین ہو گا۔ بھلوں سے جدا ہونے والوں کو شیطان بے سہارا پاتا ہے تو اُس کا سر چبا جاتا ہے۔

باغبان کا صُوفی مولوی اور سید کو جُدا کرنا اور اُن کو سزا دینا

ایک باغبان نے ایک مولوی ایک صوفی اور ایک سید اپنے باغ میں بلا

اجازت آئے ہوئے دیکھے۔ اُس نے سوچا یہ جماعت ہیں اور میں اکیلا اُن کا مقابلہ نہ کرسکوں گا۔ اُن سے ایک ایک کر کے نبٹنا چاہیے۔ اُس نے صوفی سے کہا کہ میرے گھر جا اور اپنے ساتھیوں کے لیے کمبل لے آ۔ وہ چلا گیا تو مولوی اور سیّد سے کہا کہ آپ تو ہمارے لیے فتویٰ لکھتے ہیں اور سیّد ہمارے نبی ﷺ کی اولاد ہیں۔ یہ صوفی کون ہوتا ہے کہ آپ جیسے عالی مرتبت اصحاب کا ہم نشین ہے۔ آپ لوگ ایک ہفتہ باغ میں رہیں اور عیش کریں لیکن صوفی کو ذلیل کر کے نکال دیں، وہ خود ڈنڈا لے کر صوفی کے پیچھے گیا اور اُسے اکیلا پا کر اُس کا سر پھاڑ دیا۔ صوفی یاروں کی بے وفائی دیکھ کر بولا: تم نے مجھے غیر سمجھ لیا۔ یاد رکھو! جو کچھ میں نے چکھا تمہیں بھی چکھنا ہے۔ یہ دُنیا پہاڑ ہے۔ تیری گفتگو گونج کی طرح تیری طرف لوٹتی ہے۔

صوفی سے نپٹنے کے بعد سیّد سے کہا کہ آپ میرے گھر جائیں، میں نے آپ کے لیے ناشتہ تیار کرایا ہے، نوکر سے لے آئیں۔ وہ روانہ ہوگیا تو مولوی سے کہا کہ آپ تیز نگاہ والے ہیں اور اِس میں کوئی شک نہیں کہ بہت پہنچے ہوئے ہیں۔ یہ سیّد ہونے کا بے دلیل دعوے کرتا ہے۔ کون جانے اُس کی ماں نے کیا کِیا ہے' ایسے بہت سوں نے دُنیا کو بے وقوف بنا رکھا ہے۔ جس کسی کا سر چکرا رہا ہو اُسے سارا گھر چکراتا محسوس ہوتا ہے۔ باغبان بکواس تھا اپنا باطن بیان کر رہا تھا۔ مرتد تھا اِس لیے خاندانِ نبوت کے لیے بُرا کہتا تھا۔ مولوی کو اپنے ہاتھ پر کر کے اُس نے سیّد کی بھی خوب پٹائی کر ڈالی۔ سیّد اُس کی مار سے رونے لگا اور مولوی سے کہا: اب تُو اکیلا ہے' مار کھانے کے لیے تیار ہو جا۔ میں اس ظالم سے تو تمہارا بُرا ساتھی نہیں تھا۔ اب مولوی کی باری آ گئی۔ باغبان نے کہا: تُو کس شرعی حق سے میرے باغ میں داخل ہوا۔ مولوی بولا: تمہیں حق ہے کہ مجھے مارے کیونکہ میں اپنے دوستوں سے کٹ گیا ہوں۔ بیمار پُرسی اِسی تعلق کی وجہ سے ہے کیونکہ تعلق محبت بڑھاتا ہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مریض پُرسی کا بقیہ

حضور ﷺ نے صحابی کو نزع کی حالت میں پایا۔ اگر تُو اولیاء رحمہم اللہ کی حاضری سے دُور ہوگیا تو سمجھ خدا سے دُور ہوگیا۔ شاہوں کا سایہ طلب کر اور ہر وقت ڈرتا رہ اور کوشش کرتا کہ تُو اس سایہ کی وجہ سے سورج سے بہتر ہو جائے۔ اگر سفر کرنا ہے تو اِس نیت سے کر اور اُن سے کبھی غافل نہ ہو۔ انہیں ہر جگہ تلاش کر۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ (اور اللہ زیادہ بہتر جانتا ہے)۔

گر تو خواہی حُرّی و دِل زندگی
اگر تُو آزادی اور دِل کی زندگی چاہتا ہے

بندگی کُن بندگی کُن بندگی
تو غلامی کر غلامی کر غلامی کر

ایک شیخ کا بایزید رحمۃ اللہ علیہ سے کہنا "میں کعبہ ہوں تو میرا طواف کر لے"

اُمت کے شیخ بایزید رحمۃ اللہ علیہ عُمرہ کرنے کے لیے مکہ جا رہے تھے۔ وہ راستے میں خاصانِ خدا کی تلاش میں رہتے تا کہ اُن سے فیض حاصل کرتے رہیں۔ سفر کا مقصد کسی ولی اللہ کی زیارت کو بنا لو۔ سفر کے دوسرے فوائد خود بخود حاصل ہو جائیں گے۔ کاشتکار گیہوں بوتا ہے تو بھوسا خود بخود حاصل ہو جاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سفرِ معراج' باری تعالٰی کی زیارت کے مقصد سے تھا لیکن عرش، ملائک، دوزخ، جنت خود بخود دیکھے گئے۔ اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہوتا ہے۔ مومن کی نیت' عمل سے بہتر اور مُنافق کا عمل' نیت سے بہتر ہوتا ہے۔

ایک مُرید کا مکان بنانا اور پیر کا امتحان لینا

ایک مرید نے نیا گھر بنایا۔ اُس کے شیخ نے پوچھا: یہ روشن دان کس لیے بنایا ہے؟ وہ بولا: روشنی کے لیے۔ اُنہوں نے فرمایا: اگر تُو کہتا کہ اذان کی آواز کے لیے ہے تو بہتر ہوتا کیونکہ روشنی تو پھر بھی آنی ہی ہے۔ تمہاری نیت کو اللہ پسند فرماتا۔

حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بوڑھے کو دیکھا اور اُس میں مردانِ حق آگاہ کی شان پائی۔ وہ شیخ دل کی آنکھ سے عالمِ ملکوت کی سیر سے محظوظ ہو رہے تھے۔ اہلُ اللہ کی آنکھیں بند ہوتی ہیں تو دل عالمِ ملکوت کے روشن دان بن جاتے ہیں۔ بایزید رحمۃ اللہ علیہ اُن کے سامنے بیٹھے۔ احوال دریافت کیا اور اُن کو نادار اور عیال دار پایا۔ اُنہوں نے پوچھا: بایزید کہاں جاتے ہو؟ اُنہوں (بایزید رحمۃ اللہ علیہ) نے جواب دیا: کعبہ کے طواف کو جاتا ہوں۔ میرے پاس راستے کا خرچہ دو سو درہم ہیں۔ شیخ غلبۂ حال میں تھا، بولا: وہ درہم میرے سامنے رکھ دے اور میرے گرد سات بار طواف کر لے، حاجت مند پر رقم خرچ کر' یہ حج سے بہتر ہے۔ اُس خدا کی قسم جس کو تیری رُوح نے دیکھا ہے، اُس نے اپنے گھر پر مجھے فضیلت عطا کی ہے۔ میرا وجود بھی اُس کے اسرار کا گھر ہے۔ جب سے اُس نے یہ گھر بنایا ہے وہ اُس میں مقیم ہے، جب کہ کعبہ میں وہ کبھی نہیں گیا۔ خبردار کبھی مت سمجھنا کہ اللہ مجھ سے جدا ہے۔ اللہ نے کعبہ کو ایک بار اپنا گھر کہا' مجھے ستر بار "اے میرے بندے" کہا۔ اتحاد کی وجہ سے اہلُ اللہ کی زیارت گویا خدا کی زیارت ہوتی ہے۔ اس گفتگو سے بایزید رحمۃ اللہ علیہ کے مقامات بڑھے اور اپنی ولائت میں کمال حاصل ہوا۔

از خودی بگذر کہ تا یابی خدا
اپنی انا سے گزر جا تاکہ خدا کو پا لے

فانی حق شو کہ تا یابی بقا
ذاتِ حق میں فنا ہو جا تاکہ تُو بقا حاصل کر لے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جان لینا کہ اُس شخص کی بیماری کا سبب دُعا میں گستاخی تھی

جب حضور ﷺ نے اُس بیمار کو دیکھا تو اُس کے ساتھ اچھا معاملہ کیا۔ وہ ایسے ہوگیا جیسے ابھی پیدا ہوا ہو۔ وہ بولا: مبارک ہے یہ بیماری جس کی وجہ سے شاہ میرے گھر آئے۔ مبارک ہے یہ درد جو مجھے آدھی رات کو جگا دیتا ہے، اللہ نے اپنی مہربانی سے ایسے درد پیدا کیے۔ میرا مرض خزانہ بن گیا کیونکہ اس میں رحمتیں حاصل ہوئیں اور میں مقبولِ بارگاہ ہوگیا۔

تکلیف پر صبر کرنا رحمتوں کا سبب بنتا ہے۔ پستیوں کے پیچھے بلندیاں پوشیدہ ہیں۔ تیرا نفس ہمیشہ بُرے مشورے دیتا ہے' اُن کے خلاف عمل کر۔ یہ نصیحت تمام انبیاء علیہم السلام اور اولیاء رحمہم اللہ نے کی ہے۔ نفس کا مشورہ نہ مان۔ نبیوں اور ولیوں کا کہا مان۔ مشورہ ہمیشہ عقلِ سلیم والے سے کرنا چاہیے۔ ہوسکتا ہے نفس کا مقصد یہ ہو کہ تُو سمجھ لے کہ نفس اب مطمئنہ ہو گیا ہے اور مجاہدات کو ترک کر دے۔ اپنے یار کے پاس جانا نہ چھوڑ۔ مرید کی عقل' شیخ کی عقل کے ساتھ مِل کر قوی ہوتی ہے۔ میں نے نفس کے بہت سے مکر دیکھے ہیں۔ وہ اپنے مکر سے اچھے اور بُرے کی تمیز ختم کر دیتا ہے۔ تجھے ہمیشہ تازہ تازہ وعدے دیتا ہے، جن کو ہزاروں بار اُس نے توڑا ہوتا ہے۔

نفس کی مکاریاں بھی قضاءِ خداوندی سے ہیں اور قضاءِ خداوندی ہی اُن کا علاج کرسکتی ہے۔ نفس پہلے ایک معمولی کیڑا ہوتا ہے اور علاج نہ ہو تو بڑھتے بڑھتے اژدہا بن جاتا ہے۔ خدا کا حکم ہے: ''اُسے پکڑ لے، نہ ڈر'' تا کہ تیرے ہاتھ میں اژدہا لاٹھی بن جائے۔ نفس نے ہمارے اندر دوزخ بھڑکا رکھی ہے۔ اے مُرشدِ پاک! تمہارا پھونکنا اس آگ پر قابو پاسکتا ہے۔ یہ مکار سمندر میری نظر میں بڑا لیکن تمہیں چھوٹا نظر آتا ہے؟ جیسے حضور ﷺ کو کفار کا لشکر مختصر نظر آیا تھا۔ اُن کو کم دکھانا مبارک تھا کیونکہ یہ اللہ کی رہنمائی کی وجہ سے تھا۔ جس شخص کا کامیابی میں خدا مددگار نہ ہو وہ سمجھ لے کہ اس کو خرگوش بھی شیر نظر آتا ہے اس لیے ہر وقت ہر کام میں اللہ کی نُصرت طلب کرنی چاہیے۔ مُبتدی کو اپنا نفس ایک حقیر چیز نظر آتی ہے' وہ اس کی اِصلاح کو معمولی بات سمجھتا ہے۔ غور سے سُن لو! نفس نے بڑے بڑوں کو تباہ کر دیا ہے اُس کی پہچان اہلِ حق ہی کا حصہ ہے۔ فرعون احمق تھا' اُسے اس خوش نصیبی کا مُستحق نہ سمجھا گیا۔

ایک کیڑا جو درخت کی لکڑی میں پیدا ہوا وہ اُس درخت کی اِبتدا سے ناواقف ہے۔ ہماری عقل بھی حادث ہونے کی بنا پر حقیقت سے واقف نہیں ہے۔ عقل ایک مجرّد چیز ہے جو کیڑے کی شکل میں متشکل ہوسکتی ہے۔ عام انسانوں میں بھی عقل جو صرف عالَم کے حدوث کا ادراک کرسکتی ہے' اُس کا علم تقلیدی ہوتا ہے جو کہ حقیقت تک نہیں پہنچاتا اور انسان

از خودی بگذر کہ تا یابی خدا
اپنی انا سے گزر جا تا کہ خدا کو پالے

فانیِ حق شو کہ تا یابی بقا
ذاتِ حق میں فنا ہو جا تا کہ تُو بقا حاصل کرے

اِس سے دھوکے میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ تقلیدی علم سے جہل اور دیوانگی کی بے عقلی بہتر ہے۔ اس لیے ناقص عقل جس چیز کو اچھا سمجھے اُس کو بُرا سمجھنا چاہیے۔ ناقص عقل جسے آبِ حیات سمجھے وہ دراصل زہر ہے اور جسے زہر سمجھے وہ آبِ حیات ہے۔ ناقص عقل والا انسان اپنی تعریف سے خوش ہوتا ہے۔ تمہیں چاہیے کہ منہ پر تعریف کرنے والے کو دُور کر دو۔ منہ پر تعریف کے سرمائے کو نیکیوں سے کسی مفلس کے سُپرد کر دو۔ عقل جس چیز کو عزت سمجھتی ہے وہاں سے گریز کرو۔

آقا سے ڈوم کا عُذر کہ اُس نے بدکار عورت سے نکاح کیوں کیا

ایک آقا نے ڈوم سے کہا کہ تُو نے رنڈی سے کیوں نکاح کرلیا؟ مجھے بتایا ہوتا۔ میں تمہاری شادی کسی پردہ نشین سے کرا دیتا۔ وہ بولا: میں نے جان بوجھ کر رنڈی سے نکاح کیا ہے کہ دیکھوں یہ کیسے رہتی ہے؟ اسی طرح عقل کے ذاتِ باری کے ساتھ معاملات کے نقصانات محسوس کر کے دیوانگی کا تجربہ کرنا چاہتا ہوں‘ اُمید ہے مُفید رہے گا۔

سوال کرنے والے کا تدبیر سے بزرگ کو باتوں پر آمادہ کرلینا جنہوں نے اپنے آپ کو دیوانہ بنا رکھا تھا

حضرت بہلول دانا رحمۃ اللہ علیہ ایک بزرگ تھے‘ جنہوں نے مصلحتاً اپنے آپ کو دیوانہ بنا رکھا تھا۔ بانس کا گھوڑا بنا کر دن بھر بچوں کے ساتھ کھیلتے رہتے تھے اور خاموش رہتے تھے‘ لیکن جب بولتے تو بڑی دانائی کی باتیں کرتے۔ ایک شخص نے کسی سے پوچھا کہ میں کسی عقل مند سے ملنا چاہتا ہوں۔ وہ بولا: یہاں ایک بنے ہوئے دیوانے کے علاوہ کوئی عقل مند نہیں ہے۔ سارا دن بچوں سے کھیلتا رہتا ہے۔ اگرچہ دُنیا کی رُوح ہے لیکن اپنی دیوانگی میں چُھپا ہوا ہے۔ لیکن ہر دیوانے کو خدارسیدہ مت سمجھ لینا۔ اُس کو پہچاننے کے لیے یقین کی آنکھ ہے تو تب اُس سے بات کر ورنہ دُور رہ۔ جب تُو ولی کو اصل حالت میں پہچاننے کی صلاحیت نہیں رکھتا تو دیوانگی میں پوشیدہ کو کیسے پہچانو گے۔ جس کی باطن کی آنکھ کھلی ہے وہی کمبل کی آغوش میں کلیم کو پہچان سکتا ہے۔ ہاں مگر ولی خود جس کو چاہتا ہے اپنی ولایت سے روشناس کرا دیتا ہے۔ محض عقل سے کسی ولی کو نہیں پہچانا جا سکتا۔ عقل کے ذریعے تو عام انسان کو بھی نہیں پہچانا جا سکتا۔

ایک اندھے فقیر پر کُتے کا حملہ

ایک کتا کسی اندھے فقیر پر جھپٹا۔ اِسی طرح بعض بے بہرہ لوگ درویشوں کے درپے آزار ہوتے ہیں حالانکہ وہ مقبولانِ بارگاہ میں سے ہوتے ہیں۔ وہ کتا جو سدھایا ہوا ہوتا ہے جنگل میں شکار کرتا ہے۔ بے ہُنر کتے گلی میں اندھے فقیر کے پیچھے پڑتے

ہیں۔ علم کی یہ فضیلت ہے کہ کتا بھی اس سے راہ یاب ہو جاتا ہے، تو علم حاصل کر کے انسان بھی فضیلتیں حاصل کر سکتا ہے۔ اصحابِ کہف کے کتے کو اللہ نے نور عطا فرما دیا جس سے اُس نے مالک کو پہچان لیا۔ اے خدا! وہ نور ہمیں بھی عطا فرما جس سے ہم اپنے مالک کو شناخت کر لیں۔ پہچاننے کے لیے آنکھوں کی ضرورت نہیں ہوتی۔ زمین کی آنکھیں نہیں ہیں پھر بھی وہ پہچانتی ہے۔ اُس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پہچان لیا۔ وہ اُن کے لیے خشک ہو گئی اور وہ دریا عبور کر گئے۔ قارون کو پہچان کر ہی اپنے اندر دھنسا لیا۔ حضرت نوح علیہ السلام کی نجات کے لیے پانی کو نگل گئی۔

چاروں عناصر کی آنکھیں نہیں ہیں لیکن وہ اللہ کو خوب پہچانتے ہیں۔ انسان اپنی آنکھوں سے غیر اللہ کو خوب پہچان لیتا ہے لیکن باوجود انبیاء علیہم السلام کے ڈرانے کے اللہ سے غافل بنا ہوا ہے۔ اللہ نے امانت کا بوجھ آسمان، زمین اور پہاڑوں پر ڈالنا چاہا تو وہ اُس سے ڈر گئے اور اُسے قبول نہ کیا۔ اُن کے ڈرنے کی وجہ یہ تھی کہ اُسے برداشت کرنے کے لیے حیوانیت کے اوصاف ضروری تھے، جن میں خدا سے غفلت کا مادہ بھی شامل ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم سے یہ نہیں ہو سکے گا کہ مخلوق کے ساتھ زندہ ہوں لیکن خدا کے تعلق میں مردہ بن جائیں۔ حیوانیت میں بھی خدا سے اُنس قلبِ سلیم کا کام ہے جو کہ ہمیں حاصل نہیں۔ اگر کوئی چور کسی اندھے کا سامان چرا لے جائے تو اندھا روتا ہے۔ وہ چور کو نہیں پہچان سکتا، جب تک کہ چور خود اُس سے نہ کہے کہ میں چور ہوں۔ اگر انسان نورِ جسم اور نورِ باطن سے محروم ہو تو اپنے چور کو نہیں پہچان سکتا۔ جب چور مان جائے تو اُس کے ساتھ سختی کرنی چاہیے تا کہ وہ چوری کا پورا پتہ دے دے۔ یہی معاملہ انسان کا اپنے نفس کے ساتھ ہوتا ہے۔

اپنے نفس سے جہاد کرنے کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جہادِ اکبر فرمایا ہے۔ نفس سب سے پہلے انسان کی بصیرت چراتا ہے تا کہ انسان حکمت و دانائی سے محروم ہو جائے جو کہ صرف اہلِ دل ہی سے حاصل کی جا سکتی ہے۔ جس کا باطن اندھا ہو باوجود ظاہری حواس کی دُرستی کے اپنے اندر پیدا ہونے والے شیطانی اثرات محسوس نہیں کر سکتا۔ حکمت صرف اہلِ دل کے پاس ہوتی ہے اور عوام دراصل بے حس پتھر کی طرح ہوتے ہیں۔ اِسی لیے مشورہ چاہنے والے نے حضرت بہلول رحمۃ اللہ علیہ سے رُجوع کیا۔ وہ اُن کے پاس آیا اور کہا کہ اے بچہ بنے ہوئے باپ! اپنا راز بتا دو۔ اُنہوں نے جواب دیا کہ ناسُوتی انسان کو لاہوت کے رازوں کا علم نہیں ہوتا۔

مُحتسب کا ایک بدمست پڑے ہُوئے کو قید خانہ کی طرف بُلانا

اِس قصے کا مقصد یہ بتانا ہے کہ ناسُوتی انسان، لاہوتی رازوں سے

دست را مسپار جز در دستِ پیر
اپنے شیخ کے علاوہ کسی کا ہاتھ نہ تھام

حق شدست آں دستِ اُو را دستگیر
کیونکہ اُس کے ہاتھ کو اللہ کی دستگیری حاصل ہے

واقف نہیں ہوتا۔ ایک کوتوال نے کسی مَست کو پڑے ہوئے پایا تو پوچھا کہ کیا تُو نشہ میں ہے؟ بتا تُو نے کیا پیا ہے؟ اُس نے جواب دیا: جو کچھ صراحی میں ہے وہ میں نے پیا ہے۔ کوتوال نے پوچھا: صراحی میں کیا ہے؟ مَست نے کہا: جو میں نے پیا ہے۔ کوتوال اور مَست میں یہی سوال جواب چلتا رہا تو کوتوال نے کہا کہ تجھے قید خانہ میں جانا پڑے گا اس لیے ہائے ہائے کہو۔ مَست خوشی سے نعرے لگا تا رہا اور بولا: اے کوتوال! جانے دے۔ میں تو پہلے ہی ننگا ہوں، اگر مجھ میں کہیں جانے کی طاقت ہوتی تو میں گھر نہ چلا جاتا۔ اگر میں عقل مند اور اپنے قابو میں ہوتا تو کسی عزت والی جگہ پر ہوتا۔ میرے پاس سے چلا جا اور کوئی خانقاہ تلاش کر اور نذر یا بخشش حاصل کرلے۔

شیخ بہلول علیہ رحمۃ اللہ کو دوبارہ بانس پر سواری میں لگا کر باقی حال معلوم کرنا

حضرت بہلول رحمۃ اللہ علیہ نے مشورہ چاہنے والے سے کہا: اگر مجھ میں عقل ہوتی اور میں اپنے قابو میں ہوتا تو دوسرے مشائخِ طریقت کی طرح شان سے زندگی گزارتا۔ تُو نے غلط انتخاب کیا۔ راز دریافت کرنا ہے تو کسی لمبی داڑھی والے بزرگ کے پاس کسی خانقاہ میں جا۔ حضرت بہلول رحمۃ اللہ علیہ بانس کے گھوڑے پر سوار تھے، کہنے لگے: ہٹ جا، کہیں گھوڑا لات نہ مار دے۔ سوال کرنے والا پیچھے پڑا رہا اور پھر پوچھا: میں ایک عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہوں۔ کیسی عورت مناسب رہے گی؟ اُنہوں نے فرمایا: عورتیں تین قسم کی ہوتی ہیں، دو وبال ہیں اور تیسری خزانہ ہے۔ ایک عورت تو مجسّم شوہر کی ہوتی ہے۔ دوسری آدھی شوہر کی اور آدھی اجنبی۔ عورت کی تیسری قسم وہ ہوتی ہے جو شوہر سے بالکل بیگانہ ہوتی ہے۔ مشورہ چاہنے والے نے پوچھا: میرے لیے کیسی بہتر رہے گی؟ وہ بولے بے شادی شُدہ عورت سے شادی کرلے کیونکہ وہ ہمہ تَن شوہر کی ہوتی ہے۔ اگر بیوہ ہو تو اُس کا کچھ تعلق پہلے خاوند سے بھی رہتا ہے۔ پہلے شوہر سے بچہ ہوگا تو اُس کی محبت اُدھر بھی جائے گی۔

بہلول رحمۃ اللہ علیہ پھر بچوں کے ساتھ کھیل میں مشغول ہو گئے۔ آدمی پیچھے بھاگا کہ اے شاہ! ایک سوال رہ گیا ہے۔ آپ عقل میں تو سب سے آگے ہیں لیکن اپنے آپ کو پاگل پن میں کیوں چُھپا رکھا ہے؟ وہ بولے: دفینہ ہمیشہ ویرانوں میں ہوتا ہے۔ اس لیے میں نے اپنے ظاہر کو دیوانہ بنا رکھا ہے۔ اب اگر میں عقل کا اظہار کروں تو دیوانگی ہوگی۔ دراصل دیوانہ تو وہ ہے جو اپنی عقل کی نمائش کرے اور بوقتِ ضرورت اُس کو چُھپانے کے لیے دیوانہ نہ بنے۔ اِس کی مثال اُس شخص کی سی ہے جس کی گرفتاری کے لیے کوتوال آ رہا ہو اور پھر بھی وہ گھر میں نہ چُھپے۔ جو عقل پختہ اور پائیدار ہوتی ہے اُسے نمائش کی ضرورت نہیں ہوتی۔ میری عقل اِس سے افضل ہے کہ میں اُسے دنیاوی معاملات میں خرچ کروں۔ وہ علم

عقلِ کامل را قرینِ کُن با خرد
اپنی عقل کو شیخ کی عقل کے قریب کر

تا کہ باز آید خرد زاں خوی بد
کہ وہ تمہیں تمہارے نفس کے شر سے بچالےگا

دنیاوی علم ہوتا ہے کہ جس کی طرف لوگ توجہ نہ دیں تو بتانے والے کو تکلیف محسوس ہوتی ہے۔ ایسے علم والا داد کا طالب ہوتا ہے، وہ علم چونکہ صرف دُنیا کے حصول کے لیے ہوتا ہے اس لیے اگر قرآن کا بھی ہے تو دنیاوی علم ہی ہے۔ حقیقی علم کا منشا دُنیا سے خلاصی اور تَقَرُّبْ اِلَی اللّٰہِ ہوتا ہے۔ جس طالب علم کا مقصد دُنیا کا حصول ہو اُس کی مثال چوہے کی سی ہے جو روشنی سے بھاگتا ہے۔ یہ بھی نورِ معرفت سے بھاگتا ہے۔ وہ طالب علم جس کو خدا عقلِ سلیم عطا فرما دے وہ عالمِ بالا کی طرف پرواز کرتا ہے۔ وہ علم جس میں حقانیت کی رُوح نہ ہو اور محض لفظی ٹیپ ٹاپ ہو، بے جان ہوتا ہے اور داد دینے والوں کا محتاج ہوتا ہے۔ اگر داد دینے والے نہ ہوں تو فنا ہو جاتا ہے۔

حضرت بہلول رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میرے علم کا خریدار خدا خود ہے، اسی لیے یہ علم میرے لیے عروج کا باعث ہے۔ قرآن میں ہے کہ اللہ نے مومنوں سے اُن کے جان و مال خرید لیے ہیں اس عوض پر کہ اُن کے لیے جنت ہے۔ میری جان کی قربانی کا خون بہا اللہ کا جمال ہے۔ میں ہر وقت اپنا خون بہا کھاتا ہوں، ایک مُشتِ خاک کیا خریداری کر سکتی ہے۔ وہ عالم جو اپنے علم کی انسانوں سے داد کا طالب ہو مٹی کھانے والے کی طرح ہے۔ وہ ہمیشہ زرد رُو اور شرمندہ رہے گا۔ کسی صاحبِ دل سے اُس کا دل خرید لو۔ اُس کے نور سے تمہارا چہرہ گُلِ بابونہ کی طرح سُرخ رہے گا، جو ہمیشہ کی خوشی اور جوانی کی علامت ہے۔

جو دل مادی اشیاء کا طالب ہو وہ تو دل ہی نہیں، ورنہ ایک بڑھیا چیز کسی گھٹیا چیز کی طالب کیسے ہو سکتی ہے۔ چونکہ دل کا مادی اشیاء سے ہٹ جانا مشکل کام ہے اس لیے اللہ سے التجا کرو کہ مہربانی فرما کر ہمیں ہمارے نَفس سے خود خرید لے۔ ہم مجبوروں کی یہ بیڑی تیرے سوا کوئی نہیں کھول سکتا۔ اس سلسلے میں ہمارے ذاتی کوشش بے کار ہے۔ تُو ہماری شہ رگ سے بھی قریب ہے۔ ہم یہ دُعا نَفس کے فریب سے نجات کے لیے کر رہے ہیں لیکن یہ بھی تیری ہی توفیق ہے۔ خون اور انتڑیوں میں سمجھ تیرے کرم کے سوا کوئی منتقل نہیں کر سکتا۔ آنکھوں میں نور پیدا کرنا بھی تیرا ہی کام ہے۔ زبان سے حکمت اور دانائی کی باتیں کانوں کے ذریعے رُوح تک پہنچانا جس سے انسان میں ہوش مندی پیدا ہو، یہ بھی تیری ہی مہربانی سے ہے۔ قرآن میں ہے کہ اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننا چاہو تو شمار نہیں کر سکو گے۔ اُس کی نعمتوں کا شکریہ ادا کرنا خود ایک نعمت ہے۔ اب اُس کا شکریہ ادا کرو گے تو ایک اور نعمت آ موجود ہو گی اور یہ سلسلہ چلتا ہی رہے گا کبھی ختم نہ ہو گا۔ ہم اُس کے شکریے سے عاجز ہیں، بس یہی ہمارا شکر ہے۔

دستِ تو از اہلِ آں بیعت شود	کہ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ بود
تیرا ہاتھ اُن بیعت کرنے والوں میں شامل ہو جائے گا	جن کے ہاتھ پر اللہ کا ہاتھ ہے

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اُس بیمار کو نصیحت کرنے کا بقیہ

حضور ﷺ نے اُس بیمار سے پوچھا کہ کیا تُو نے کوئی ایسی دُعا کی ہے جو تیرے لیے مصیبت بن گئی ہے؟ حضور ﷺ کی توجہ کی وجہ سے اُسے بھولی ہوئی دُعا یاد آ گئی۔ اُس نے کہا: جب میں گناہ میں ڈوب گیا۔ گناہ گاروں کے عذاب کے بارے میں آپ ﷺ کے ارشادات نے مجھے ڈرا دیا۔ میں ہاروت و ماروت کی طرح آہ کرتا تھا اور کہتا تھا کہ عالمِ آخرت کی تکلیف کی کوئی حد نہیں ہے۔ مجھے بجائے آخرت کے یہیں دُنیا ہی میں سزا دے دی جائے اور دُنیا کو چھوڑ کر بدن کو مجاہدہ میں ڈالوں اور آخرت کے عذاب سے چھوٹ جاؤں۔ اِس بیماری نے مجھے بہت تکلیف دی ہے اور میں عاجز آ گیا ہوں۔ اپنے اچھے اور بُرے سے بھی بے خبر ہو گیا ہوں۔ اگر آپ ﷺ تشریف نہ لاتے تو میں تو تباہ ہو گیا تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: خبردار! ایسی دُعا نہ کرنا۔ ایک چیونٹی کیا طاقت رکھتی ہے کہ کہے کہ خدا! مجھ پر پہاڑ رکھ دے۔ اُس نے کہا: اے شاہ! میں توبہ کرتا ہوں۔ آپ ﷺ، موسیٰ علیہ السلام کی طرح ہیں اور ہم گناہ کی وجہ سے تیہ میں مبتلا ہیں۔ جتنی مسافت طے کر لیں پھر پہلی منزل پر ہی ہوتے ہیں، توبہ کرتے ہیں اور پھر گناہ کر بیٹھتے ہیں۔

مُوسیٰ علیہ السلام کی قوم اور اُن کی شرمندگی کا تذکرہ

توبہ کرنے سے قربِ الٰہی حاصل ہو جاتا ہے لیکن پھر گناہ کر بیٹھتے ہیں اور پھر پہلی منزل پر آ جاتے ہیں۔ بنی اسرائیل سوچتے تھے کہ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام ہم سے خوش ہوتے تو ہم ضرور تیہ سے باہر نکل جاتے لیکن وہ ناراض بھی نہیں ہیں کیونکہ ہم پر مَنّ و سلویٰ برابر اُتر رہا ہے۔ پتھر سے پانی کے چشمے پھوٹ پڑے ہیں۔ کیونکہ وہ ہمارے معاملے میں دو دِلے ہو گئے ہیں، کبھی ناراض ہوتے ہیں کبھی راضی، یہ کب ہو گا کہ وہ بُردبار بن جائیں۔ اُس بیمار صحابی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کر کے اُن کے فضائل بیان کیے۔ دراصل وہ فضائل آپ ﷺ کے ہیں لیکن چونکہ منہ پر تعریف کرنے سے آپ ﷺ کو ناگواری ہوتی ہے اِس لیے اُنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کر دیا ورنہ حضرت موسیٰ علیہ السلام خود اِس بات کو پسند نہ فرماتے کہ آپ ﷺ کی موجودگی میں اُن کی تعریف کی جائے۔

ہم نے بندگی کا عہد کیا' جو ہزاروں بار ٹوٹا۔ اللہ نے ربوبیت کا عہد کیا' جو ہر وقت برقرار ہے۔ ہم کبھی اطاعت و عبادت کرتے ہیں' کبھی نافرمانی کرتے ہیں۔ یہ سب کچھ قدرتِ خداوندی کا ظہور ہے جو ہماری مختلف کیفیتوں میں ظاہر ہوتا ہے۔ اے اللہ! اگر تُو ہمیں اِمتحان میں نہ ڈالے گا تو دیگر رُسوائیاں ڈھکی چھپی رہیں گی۔ اے میرے پروردگارِ کریم! تیرا جمال اور کمال لامحدود ہے اور بندے کی خطائیں لامحدود ہیں لیکن تُو پردہ پوشی کرنے والا ہے۔ ہماری پردہ پوشی کے

چُوں بدادی دستِ خُود در دستِ پیر جب تم اپنا ہاتھ کسی کامل شیخ کو پکڑا دو	پیرِ حکمت کُو علیم ست و خبیر تو جان لو کہ وہ دانا اور باخبر ہے

ظاہری اسباب ختم ہو چکے ہیں۔ نیکی کی تمام قوتیں ہم فنا کر چکے ہیں، اُن کے صرف آثار باقی ہیں، مہربانی کر کے جو کچھ باقی ہے اُس کی حفاظت فرما تا کہ بالکل تباہی نہ ہو۔ ہم پر رحم اپنے قدیم رحم کے طفیل کر دے، جو گناہ گاروں کو معاف کرنے کے لیے ہماری تلاش میں ہے۔

اے انسانوں میں رحم کا مادہ رکھنے والے! اگر ہمارے یہ دُعائیہ الفاظ تمہیں پسند نہیں آئے تو تُو ہی وہ دُعا سکھا دے جیسے کہ تُو نے آدم علیہ السلام کو خود سکھا دی تھی، جس سے اُن کی لغزش معاف ہو گئی۔ شیطان نے جو فکر حضرت آدم علیہ السلام کے نقصان کے لیے کیا وہ اُن کے لیے نفع کا سبب بن گیا اور توبہ کی قبولیت کے بعد اُن کو مزید قرب حاصل ہو گیا۔ شیطان نے اپنے مکر کی طرف دھیان کیا۔ اللہ کی تدبیروں کو ذہن میں نہ رکھا اور اپنے مکر سے خود ہی برباد ہو گیا۔ شیطان کے لیے اللہ کی لعنت اُس کی آنکھ کی پٹی بن گئی اور وہ اپنے انجام کو نہ دیکھ سکا۔ اللہ نے حضرت آدم علیہ السلام کا دھیان توبہ کی طرف کر دیا اور وہ کامیاب ہو گئے۔

جب کوئی اللہ کی لعنت میں گرفتار ہوتا ہے تو کج بیں، حاسد اور متکبر اور کینہ ور بن جاتا ہے۔ بُرائی کا وبال ہمیشہ خود بُرائی والے کو بھگتنا پڑتا ہے۔ اگر تکبر نہ ہو تو انسان اپنی بُرائی کو بُرائی سمجھ کر اس کا ازالہ کر لیتا ہے۔ اگر انسان اپنی خطا پر درد محسوس کر لے تو نجات ہو جاتی ہے۔ گناہوں کے ازالہ کے لیے دردِ دل ضروری ہے۔ ماں کو اگر دردِ زہ نہ ہو تو بچے کی خوش خبری کیسے سُنے؟ بھلائی کی طاقتیں دل میں حمل کی طرح ہیں اور رُوح حاملہ ہے۔ نصیحت کرنے والے کی نصیحت سے اگر درد پیدا نہیں ہوتا تو بھلائی کی طاقتیں اپنا عمل نہیں کر سکتیں۔ جس میں درد کا مادہ نہ ہو وہ بے درد ڈاکو کی طرح ہے، وہ متکبر ہے۔ تکبر کا آخری درجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان اپنے آپ کو فاعلِ حقیقی سمجھنے لگتا ہے جیسے کہ فرعون نے اپنے آپ کو اَنَا رَبُّکُمُ الۡاَعۡلٰی کہا۔ اُس کا ایسا کہنا انتہائے تکبر کی وجہ سے تھا۔ اُس نے یہ الفاظ بے موقع ادا کیے۔ باموقع یہ الفاظ کہنا دُرست ہے، جیسا کہ منصور رحمۃ اللہ علیہ نے وحدت الوجود کے غلبہ میں اپنے آپ کو فنا کر کے صفتِ خداوندی سے متصف ہو کر کہے۔ تکبر کو زیر کرنے کی ترکیب یہ ہے انسان مجاہدات کے ذریعے اُسے قتل کر ڈالے۔ نفس کو مارتے سے انسان کی نجات ہو جاتی ہے۔ اگر بچھو کا ڈنک توڑ دیا جائے تو وہ بے ضرر ہو جاتا ہے۔

نفس کو صرف شیخ کے زیرِ سایہ مارا جا سکتا ہے، لیکن شیخ کا دامن پکڑنا بھی خدا کی تائید کے بغیر ممکن نہیں۔ مرید کو شیخ کا دامن مضبوطی سے تھامنا چاہیے کیونکہ اُس کو باطنی قوت شیخ کے ساتھ گہرے تعلق سے حاصل ہوتی ہے۔ جنگ بدر میں "وَمَا رَمَیۡتَ اِذۡ رَمَیۡتَ" (تُو نے نہیں پھینکا جبکہ پھینکا) کہہ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کو اپنا فعل قرار دیا یعنی مرید کو مراد ہی

تا نخوانی لَا وَ اِلَّا اللہ را
جب تک تُو کلمہ اِلَّا اللہ کی طرف نہیں آئے گا

در نیابی منہج ایں راہ را
عشق کی راہ پر نہیں پڑ سکے گا

سے قوت حاصل ہوتی ہے۔ اگر وصول اِلَی الْحَق میں دیر لگے تو گھبرانا نہ چاہیے۔ جس طرح خدا کا عذاب دیر سے آتا ہے اور سخت آتا ہے اسی طرح رحمت بھی آزمائشوں کے بعد متوجہ ہوتی ہے اور پھر قرب کی کیفیت بھی اسی شدت سے حاصل ہوتی ہے۔ حضور ﷺ پر وحی کا نزول رُک گیا تو یہود نے کہا کہ اللہ نے اُن پر رحمت ختم کردی ہے تو سورۃ وَالضُّحٰی کا نزول ہوا اور حضور ﷺ کی خوب تسلی کرادی گئی۔ انسان میں بُری قوتوں کا پیدا ہونا بھی اللہ کا فعل ہے کیونکہ بدی اور خوبی کا خلق بھی اللہ کا کمال ہے۔ اگر ہم کہیں کہ بدی کا خالق وہ نہیں ہے تو اُس کے کمال کا نقص ہوگا۔

اِس معنیٰ کے بیان میں ایک مثال کہ ہم ایمان لائے اچھی اور بُری تقدیر پر

ایک نقاش نے اچھے اور بُرے نقش بنائے۔ یوسف علیہ السلام کا نقش حسین ترین ہے اور شیطان کا بھیانک، اگر دونوں نقش مکمل ہیں تو نقاش کے کمال پر دلالت ہیں۔ حسین نقش سے ہر شخص لطف اندوز ہوتا ہے۔ حسین نقش کو حسین ترین بنانا مصوّر کا کمال ہے اور بھیانک نقش کو اِنتہائی بدصورت بنانا بھی اُس کا کمال ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ بدصورت بنانے کی طاقت نہیں رکھتا تو یہ اُس کے ناقص ہونے کی دلیل ہے اور وہ ہر طرح کے نقص سے پاک ہے۔ لہٰذا اُسے مومن اور کافر دونوں کا خلّاق ماننا پڑے گا۔ کافر اور مومن دونوں اُس کو سجدہ کرتے ہیں لیکن دونوں کے سجدے میں فرق ہے۔ مومن کا سجدہ اِختیاری اور رضائے قلب سے ہے اور کافر کا سجدہ اِضطراری ہے۔ اِضطراری فعل میں قصد یا ارادہ نہیں ہوتا۔ بدصورت کہتا ہے اے اللہ! تو خوب صورت اور بدصورت کا پیدا کرنے والا ہے۔ خوب صورت کہتا ہے کہ اے شاہ! تُو عیبوں سے پاک ہے۔ تُو جو چاہے وہ کرتا ہے۔ اچھے اور بُرے کو پھول اور کانٹے کی طرح پیدا کرتا ہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بیمار کو نصیحت کرنا اور دُعا سکھانا

حضور ﷺ نے بیمار کو نصیحت فرمائی کہ انسان کو ہمیشہ ہر حالت میں اپنی بھلائی کے لیے دُعا کرنی چاہیے۔ قیامت پر پُل صراط پر سے مومن و کافر دونوں کو گزرنا ہوگا جو جہنم پر قائم کیا جائے گا۔ مومن اُس پر سے گزر کر جنت میں پہنچ جائے گا۔ اُس پر سے گزرتے ہوئے دوزخ کا منظر مومن کے لیے سبز باغ کا منظر بن جائے گا۔ اُس نے چونکہ اپنے نفس کی جہنمی صفات کو مجاہدات کے ذریعے زائل کردیا تو آخرت میں بھی وہ صفات تبدیل ہو جائیں گی۔ اُس نے مجاہدات سے اپنے نفس کی بُرائیوں کو بھلائیوں میں تبدیل کردیا۔ جب انسان اللہ کی خوشنودی کے لیے نفس کی بُرائیوں کو زائل کردیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُسے آخرت کی بُرائیوں سے محفوظ فرما دیتا ہے۔ اُس کی بُرائیاں

تابداں شد اُو زچشمہ خود رواں کہ چشمے سے خود ہی رواں ہو گیا ہے	آب دیدہ تا چہ دیدہ است از نہاں آنسو نے پوشیدہ طور پر کیا دیکھ لیا ہے

بھی بھلائیوں میں تبدیل کر دی جاتی ہیں۔ اللہ کی محبت کے باغ میں دریائے معرفت کے کنارے سے ذکر و تسبیح کی بُلبلیں نغمے گاتی ہیں۔

قرآن کہتا ہے: مہربانی اور احسان کا بدلہ مہربانی اور احسان ہے۔ اُن لوگوں نے اپنی جانیں اللہ کے لیے گروی رکھ دی ہیں۔ جب تک دوست کا خیال اُن کے دلوں میں موجود ہے یہ فدا کاری کرتے رہتے ہیں۔ اُس کے وہ عاشق جو اِس کی بارگاہ کے اندر حاضر ہیں، اُنہوں نے عشقِ الٰہی کی شمعیں جلا رکھی ہیں۔ لوگوں کو اُن کی صحبت اِختیار کرنی چاہیے۔ اِس طرح وہ عاشق اُنہیں اپنے دل میں جگہ دیں گے اور شرابِ معرفت سے مست کر دیں گے۔ اِن کے دل میں تُو جگہ بنالے، تیری جگہ آسمان میں بن جائے گی۔ اِن عاشقانِ خدا کی صحبت میں اُنہیں وحدتِ حقیقی کا جلوہ نظر آئے گا اور وہ سب چیزوں میں ایک ہی وجود دیکھے گا۔ اُن کی صحبت سے غیبی اسرار مُشاہدے میں آجائیں گے۔

جھوٹ اور فریب سے کب تک مدد حاصل کرتے رہو گے۔ انسانوں کے لیے دُنیا داروں کی جھوٹی تعریفوں سے بزرگوں کی کڑوی باتیں زیادہ مُفید ہیں۔ بزرگوں کی سختی جھیلنے سے نفع ملتا ہے۔ مادی جسم جو ایک بے حس چیز ہے، رُوح کی صحبت میں حساس ہو جاتا ہے۔ اِسی طرح مرید شیخ کی محبت سے ابدی زندگی حاصل کر لیتا ہے۔ یہ زندگی کا اعلیٰ اصول ہے کہ جو اُستاد کا ادب نہ کرے گا اور صحبت برداشت نہ کرے گا ہمیشہ محروم رہے گا۔ عام طور پر اُستاد سے بھاگنے کا سبب یہ ہوتا ہے کہ وہ اُستاد کو اپنی منشا کے مطابق چلانا چاہتا ہے۔ جب اس میں کامیابی نہیں ہوتی تو بھاگتا ہے۔

اگر مرید شیخ کی مرضی کے مطابق مجاہدے کرے تو اپنی اور دوسروں کی ہدایت کا سبب بن جائے۔ دین پر دُرست طرح سے عمل کرنے سے رُوح کی اصلاح ہوتی ہے اور اِس طرح بقا حاصل ہو جاتی ہے۔ دین کی نامردی دُنیا میں تو چُھپ سکتی ہے لیکن آخرت میں سامنے آجائے گی۔ دُنیا میں دُنیا کے کاموں کی اُجرت ملتی ہے، آخرت میں آخرت کے کاموں کی اُجرت ملے گی۔ قرآن میں دُنیا کو کھیل کود کہا گیا ہے۔ دنیاوی کاروبار صرف نمائش ہے، اِس کی بقا نہیں ہے۔ جیسے ایک بچہ دوسرے بچے سے جماع کرے تو یہ محض جماع کی نقل ہوگی، بچہ پیدا نہیں ہوگا۔ دنیاوی کاروبار کو بچوں کی فرضی دُکان کی طرح اور موت کو رات تصور کرو۔ جس طرح فرضی دُکان والا بچہ شام کو بلا کمائی کے گھر کو تنہا لوٹتا ہے اِسی طرح موت آنے پر تم بلا کمائی تنہا کوچ کرو گے۔ دین کی کمائی عشقِ خداوندی اور باطنی جذب ہے اور اُس کی قابلیت خدا داد ہے۔ نفس کا تقاضہ فانی لذّتیں حاصل کرنا ہے۔ نفسِ امارہ اگر کسی بھلے کام کی ترغیب دیتا ہے تو اُس کے پسِ پُشت کوئی دھوکا ہوتا ہے۔

خوفِ حق گر باشد آں گریہ خوش است
اگر یہ اللہ کے خوف سے ہے تو بہتر ہے

زانکہ آں آب بے دفعِ آتش است
کیونکہ یہ پانی آگ کو بُجھانے کے کام آئے گا

شیطان کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو نماز کے لیے بیدار کرنا

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ لوگوں کی ملاقاتوں سے تھک کر محل کا دروازہ بند کر کے سو گئے۔ کسی نے اچانک اُنہیں جگا دیا اور چُھپ گیا۔ اُنہوں نے سوچا یہ گستاخی کس نے کی؟ اُنہوں نے چکر لگا کر جستجو کی تو وہ پردے کے پیچھے منہ چُھپا رہا تھا۔ اُنہوں نے نام پوچھا تو بولا: ''ابلیس''۔ اُنہوں نے پوچھا: تُو نے مجھے کیوں جگایا؟ اُس نے کہا: نماز کا وقت جا رہا ہے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ عبادات کو فوت ہونے سے پہلے پورا کرلو۔ اُنہوں نے کہا: تُو تو ایمان کا ڈاکو ہے تُو مجھ پر مہربان کیوں ہوا؟ شیطان نے کہا: میں ایک زمانے میں مُعلم الملکوت تھا۔ میں فرشتوں کو نیکی کی تعلیم دیتا تھا۔ لیکن اپنے وطن کی ابتدائی محبت دل سے نہیں نکلی تھی۔ مجھ پر اللہ کے بے حد احسانات ہیں میں اُنہیں کیسے بھلا سکتا ہوں۔ اگر وہ ناراض ہے تو میں اُس کے کرم سے مایوس نہیں ہوں کیونکہ وہ فرماتا ہے: ''میری رحمت میرے غضب سے بڑھی ہوئی ہے'' اگر خدا کسی کو اپنے دربار سے دُور کرتا ہے تو اس لیے کرتا ہے کہ دربار کی قدر معلوم ہو جائے۔ جب جُدائی کی سزا ملتی ہے تو وصل کی قدر ہوتی ہے۔

دنیا کے پیدا کرنے میں اللہ کا اپنا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ مخلوق تو خود محتاج ہے، اِس سے اللہ تعالیٰ کو کیا فائدہ ہو سکتا ہے۔ اللہ اپنی ناراضگی میں ایسا کوئی سبب پیدا فرما دیتا ہے جس سے بندے کو تکلیف پہنچتی ہے تو لوگ سبب پر نظر کر کے کڑھتے ہیں۔ میں اُسباب والے پر نظر رکھتا ہوں۔ مہربانی اُس کی قدیم صفت ہے اور قہر بعد کی۔ میں قدیم صفت کو پیشِ نظر رکھتا ہوں اور مایوس نہیں ہوتا۔ حضرت آدم علیہ السلام کو میرا سجدہ نہ کرنے کی وجہ میرا حسد تھا اور وہ حسد عشقِ خداوندی کی وجہ سے تھا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ کوئی میرے محبوب کا مُقرب بنے۔ رقیب یہ پسند نہیں کرتا کہ کوئی دوسرا اُس کے محبوب کا ہم نشین ہو۔ دوستی اور عشق میں رقیب کا حسد کرنا لازمی ہے، جیسے چھینک کے ساتھ دُعا لازمی ہے۔ آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کرنے کی بازی میں نے کھیلی اور میں مصیبت میں پھنس گیا۔ میں نے اُس کی ذات سے بازی ہاری ہے لہٰذا میں اس ہارنے میں بھی لُطف اندوز ہوتا ہوں۔ میری اِس مصیبت سے رہائی بھی اُسی کے اِختیار میں ہے، چاہے کفر ہے یا ایمان ہے، سب اُسی دربار کا بنایا ہوا ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ابلیس کے سامنے دوبارہ تقریر

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اُسے کہا کہ تُو نے مجھ جیسے لاکھوں کو گمراہ کیا ہے۔ تو آگ ہے، جس کا کام جلا ڈالنا ہے۔ میں تیرے مکر کے سامنے کوئی چیز نہیں ہوں۔ تُو وہ پرندہ ہے جس کی سیٹی کی آواز سے پرندے جال

اللہ اللہ اللہ اے وافی مُرید	گرچہ در تقلید ہستی مُستفید
اے وفادار مُرید! اللہ کے لئے رو	اگرچہ کسی کی تقلید میں ہو فائدہ ہوگا

میں پھنس جاتے ہیں۔ تُو نے نوح علیہ السلام کی قوم کو برباد کیا۔ قومِ عاد کو عذاب میں گرفتار کیا۔ قومِ لوط تیری وجہ سے سنگسار ہوئی۔ نمرود تیری وجہ سے مرا۔ فلسفی فرعون کی عقل تُو نے اندھی کر دی۔ ابولہب تیری وجہ سے نالائق بنا۔ تُو نے ابوالحکم کو ابوجہل بنا ڈالا۔ تُو مکاری کا سمندر ہے اور لوگ تیرے سامنے قطرے کی طرح ہیں۔

ابلیس کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو تیسری مرتبہ جواب

ابلیس بولا: مجھے خدا نے کھرے اور کھوٹے کا امتحان بنایا ہے۔ میں اچھوں کا بھی دوست ہوں، اور بُروں کا بھی۔ میں اگر لوگوں کے سامنے چارہ ڈالتا ہوں تو یہ دیکھنے کے لیے کہ جانور کس قسم کا ہے۔ اللہ کا قہر اور مہر باہم ملے ہوئے ہیں۔ اِن دونوں سے خیر و شر پیدا ہوئے۔ سیدھی بات ہے اگر کوئی انسان نَفس کی غذا کی تلاش میں ہے تو بُرا ہے اور اگر رُوح کی غذا کی تلاش میں ہے تو اچھا ہے۔ اگر جسم کی پرورش میں لگا رہے تو گدھا ہے، اگر رُوح کے سمندر میں جاتا ہے تو موتی پاتا ہے۔ نبی طاعات کا سبق دیتے ہیں اور اُن کے دشمن شہوتیں پیش کرتے ہیں۔ نیکی اور بدی کو پیدا کرنے والا میں نہیں ہوں۔ میں تو صرف بلانے والا ہوں۔ بھلے کو میں بُرا کیسے بنا سکتا ہوں۔

ایک کالے نے آئینے پر تھوک دیا کہ اُس کی کالی صورت دکھاتا ہے۔ آئینہ بولا: میری خطا کیا ہے؟ اُس کو خطاوار کہہ جس نے مجھے شکلیں اصلی حالت میں دکھانے والا بنایا۔ میں تو انسانوں کی بُرائی پر گواہ ہوں۔ جن دلوں میں ایمان کا پانی نہیں ہوتا میں صرف اُن کو تباہ کرتا ہوں۔ بدعمل کی اِصلاح کے سامان تو ہیں لیکن بد اصل کی اِصلاح ناممکن ہے۔ اگر تم سمجھ گئے ہو کہ میں اچھوں کے ساتھ اچھائی کرتا ہوں اور ناقابلِ اصلاح کو تباہ کرتا ہوں تو میں نے تمہیں دین ہی کے لیے جگایا ہے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اے ڈاکو! حجت نہ کر۔ بے ایمانی سے میرے گرد چکر نہ لگا۔ ڈاکو اگر سامان خریدنے والے کی شکل اختیار کرے تو مکاری اور چالاکی ہے۔

شیطان کے مکر سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا اللہ سے نالہ وزاری کرنا اور مدد چاہنا

اُنہوں نے عرض کی: اے میرے رب! نہ معلوم یہ کیا چال چل رہا ہے۔ شیطان پر محض دلائل سے بغیر فضلِ خداوندی غلبہ حاصل کرنا ممکن نہیں ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کو تُو نے تمام اَسماء کی تعلیم دی لیکن پھر بھی شیطان نے اُنہیں دھوکا دے دیا اور وہ رَبَّنَا ظَلَمْنَا کا رونا روتے تھے۔ اے شیطان! تیری ہر بات میں شر ہے اور اُس میں لاکھوں جادو چھپے ہوئے ہیں۔ سچ بتا تُو نے مجھے نماز کے لیے کیوں جگایا؟ وہ بولا: جو

تا نگوئی دیدم آں شہ می گریست
جب وہ شاہ آنسو بہا رہا ہو تو تُو یہ نہ کہہ

من چُو اُو بگریستم کایں مُنکریست
کہ میں اُسکی طرح رویا، یہ شیخ کی فضیلت کا انکار ہے

شخص بدگمان ہو وہ کوئی سچی بات بھی نہیں سنتا۔ تمہارا مجھے بُرا سمجھنا تمہارے نفس کا دھوکہ ہے۔ اپنے نفس سے رہائی کی دُعا کرو۔

شیطان حشر میں بھی یہی کہے گا کہ مجھے ملامت مت کرو اپنے نفس کو ملامت کرو۔ انسان شیطان سے تو دُور بھاگتا ہے لیکن خود اُس کا اپنا نفس شیطان سے بھی زیادہ شریر ہے۔ اِس سے بے توجہی برتتا ہے۔ انسان کا نفس لذتوں کے پیچھے دوڑتا ہے اور اپنے انجام کی ہلاکت سے غافل ہوتا ہے۔ خواہشِ نفس انسان کو اندھا بنا دیتی ہے۔ شیطان کہتا ہے مجھے بدی سے نفرت ہے۔ تھوڑی سی بدی مجھ سے ضرور ہوئی اور اِس کے لیے میں شرمندہ ہوں۔ اے لوگو! کینہ و حرص تو عناصر اربعہ کی پیداوار ہیں اور میں تو عناصرِ اربعہ سے نہیں بنا ہوں۔ میں خود اپنی خطا کی بخشش کا اُمیدوار ہوں۔ چونکہ میں بدنام ہوں، اس لیے ہر بُرائی تم مجھ سے منسوب کر دیتے ہو۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا شیطان سے مقصد کی حقیقت پھر معلوم کرنا

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: تُو مجھے سچ بتا دے کہ تو نے مجھے نماز کے لیے کیوں جگایا؟ شیطان نے جواب دیا کہ اگر میں سچ بتا دوں گا تو آپ کیسے یقین کر لیں گے جب کہ آپ میرے بارے میں شک میں مبتلا ہیں۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ سچ اور جھوٹ کی علامتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بتا دی ہیں۔ وہ یہ کہ جھوٹی بات سُن کر مومن کا دل مطمئن نہیں ہوتا اور سچی بات سُن کر مطمئن ہو جاتا ہے۔ جس طرح پرندہ دانے پر لپکتا ہے اُسی طرح مومن کا دل سچائی کی طرف لپکتا ہے۔ یہ علامت صرف خالص مومن کی ہے، اگر کسی کا دل گناہوں کی وجہ سے بیمار ہو اس کے لیے یہ علامت نہیں ہے۔ جب دل امراض سے خالی ہو وہ ہر علم رکھتا ہے۔ چونکہ آدم علیہ السلام میں گندم کھانے کی حرص پیدا ہو گئی تھی لہٰذا وہ شیطان کے جھوٹ کو نہ پہچان سکے اور دھوکا کھا گئے۔ لوگ دُنیا میں تمنا اور حرص میں مبتلا ہیں اس لیے تیرے مکر کو قبول کر لیتے ہیں۔ ایک قصہ سُن لے۔

قاضی کا قضیات کی مصیبت کا شکوہ اور اُسکے نائب کا جواب

لوگوں نے ایک قاضی کو مسند نشین کیا تو وہ رونے لگا۔ اُس کے نائب نے پوچھا: یہ تو خوشی کا وقت ہے تم روتے کیوں ہو؟ قاضی بولا: مُدعی اور مدعا علیہ دونوں معاملے کی اصل سے واقف ہوتے ہیں اور قاضی کو حالات کا کچھ علم نہیں ہوتا، وہ اُن کے معاملات کو کیسے جان سکتا ہے؟ نائب بولا: فریقین اگرچہ معاملے کو جانتے ہوتے ہیں لیکن اُن کے دلوں میں خود غرضی سمائی ہوتی ہے اس لیے جھگڑتے ہیں۔ انسان میں بے غرضی

گریۂ اُو نز غم ست و نز فرح
شیخ کا رونا نہ تو غم سے ہے اور نہ خوشی سے

رُوح داند گریۂ عین المِلَح
اُس کا رونا شوقِ خداوندی ہے رُوح جانتی ہے

ہوتو معاملہ واضح ہو جاتا ہے۔ خلوص، جہل کو علم سے بدل دیتا ہے اور خود غرضی بڑے سے بڑے عالم کو جاہل بنا دیتی ہے۔ اگر تُو رشوت نہ لے گا تو حقیقت دیکھ لے گا ورنہ نہیں۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں تے نفسانی غذا ترک کر دی ہے اس لیے میں جان لوں گا کہ تُو سچ بول رہا ہے یا جھوٹ، تُو سچ بتا دے کہ تُو نے مجھے کیوں جگایا؟

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا شیطان سے جگانے کی وجہ کا اِقرار کرا لینا

وہ بولا: شیخ سُن لیجیے اگر آپ کی نماز باجماعت نکل جاتی تو آپ کے لیے یہ دُنیا اندھیر ہو جاتی۔ نقصان اور درد کے آنسو بہتے۔ اِس عاجزی کے نور کی وجہ سے آپ کو دو سو نمازوں کا اجر ملتا، کجا نماز اور کجا عاجزی کا نور۔ ایک صحابی مسجد کی طرف جا رہا تھا۔ لوگ مسجد سے نکل رہے تھے۔ اُس نے پوچھا: جماعت کا کیا ہوا؟ کسی نے کہا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم جماعت ختم کر کے دُعا سے بھی فارغ ہو گئے ہیں۔ اُس جماعت سے محروم نمازی نے ایسی آہ بھری جس میں درد تھا اور دل کے خون کی بُو تھی۔ ایک شخص نے اُس سے کہا: میں اپنی نماز کا ثواب تجھے دیتا ہوں تُو اِس آہ کے ثمرات مجھے دے دے۔ یہ مان گیا، وہ عاجزی اور تضرّع کو لیے گھر لوٹا۔ رات کو خواب میں غیبی آواز نے اُسے کہا: تُو نے تو آبِ حیات خرید لیا۔ اُس کی اس پسندیدگی کے احترام کی وجہ سے تمام لوگوں کی نماز قبول ہو گئی۔

میں اگر آپ کو نہ جگاتا اور نماز کے جانے پر جو آہ و فغاں آپ کرتے اور اُس کا جو اجر آپ کو ملتا اُس سے دُور رکھنے کے لیے میں نے آپ کو جگا دیا۔ میں تو آپ کا دشمن ہوں، آپ کا نفع نہیں دیکھ سکتا۔ بعض باتیں بظاہر بھلی معلوم ہوتی ہیں لیکن اُن کی تہ میں شرارت ہوتی ہے۔

ایک شخص کے پُکارنے کی وجہ سے چور کا بچ نکلنا جب کہ مالک چور کو پکڑنے کے قریب تھا

ایک شخص نے چور کو اپنے گھر میں دیکھا اور اُس کے پیچھے دوڑا۔ چور آگے آگے تھا اور وہ اُس کے پیچھے، چور دوڑتے دوڑتے تھک گیا۔ قریب تھا کہ وہ شخص چور کو پکڑ لے کہ پیچھے سے کسی نے آواز دی کہ واپس آ اور دیکھ یہاں کیا حال ہے۔ اُس نے سوچا یہ کوئی میرا خیر خواہ ہے اور زیادہ بڑے خطرے سے بچانا چاہتا ہے۔ اُس نے چور کا پیچھا چھوڑ دیا اور اُس کی طرف آ گیا۔ وہ شخص بولا: یہ دیکھو چور کے پَیروں کے نشان ہیں۔ چور اُدھر بھاگا ہے۔ اُس نے کہا: اے بے وقوف! تُو نے مجھے واپس اِس لیے بلایا ہے؟ میں نے تو چور کو تقریباً پکڑ ہی لیا تھا۔ میں اپنے دشمن کو پکڑ کر گھسیٹتا، تُو نے اُسے چھڑا دیا کہ یہ نشان ہے۔ میں اصل مقصد تک پہنچ چکا تھا، تُو مجھے اَسباب اور وجوہ بتا رہا ہے۔ کسی کو ذات کی تجلّی حاصل ہو جائے تو اُسے صفات کی تجلّی کی ضرورت نہیں رہتی۔ جب

گریۂ او خندۂ او زاں سریست	زانچہ وہم و عقل باشد آں بریست
شیخ کا رونا اور ہنسنا اللہ کی طرف سے ہے	جو عقل یا خیال سے الگ ہے

کوئی شخص پانی کی تہہ میں پہنچ جاتا ہے تو اُس کی نظر پانی کے رنگ کی طرف نہیں ہوتی۔ اگر کوئی ذات کی تجلی کے بعد صفات کی تجلی میں مستغرق ہو جائے تو اُس نے اپنا مرتبہ گرا لیا۔ عام لوگوں کی نیکیاں مقربین کے لیے گناہ کی طرح ہیں۔

ایک بادشاہ کا اپنے وزیر کو معزول کر کے کوتوال بنا دینا

اگر بادشاہ کسی وزیر کو کوتوال بنا دے تو بادشاہ اُس کا دشمن ہوگا۔ لیکن اگر کسی وزیر کو کوتوال بنا دیا جائے تو سمجھو کہ وزیر سے کوئی قصور ہوا ہے۔ ایسا ضرور وزیر کی کسی نادانی کی وجہ سے ہی ہوا ہے۔ لائق آدمی تو اپنا حصہ ہمیشہ بڑھاتا ہے۔ کج روی کی ایک مثال قرآن سے سُن۔

منافقوں کا مسجدِ ضرار بنانا

بعض اوقات بظاہر ایک معاملہ اچھا نظر آتا ہے لیکن اُس میں بُرائی پوشیدہ ہوتی ہے۔ مسجد بنانا بظاہر ایک اچھا فعل ہے لیکن مُنافقوں نے مسجدِ ضرار انتشار پیدا کرنے کے لیے، ''مسجد قُبا'' کے مقابلے میں بنائی۔ اُن کا یہ فعل بدنیتی پر مبنی تھا۔ اُنہوں نے کہا کہ ہم نے یہ مسجد اس لیے تعمیر کی ہے کہ بارش کی مجبوری اور ضرورت میں یہاں نماز ادا کر لیا کریں۔ جتنی زیادہ مسجدیں ہوں گی اتنا ہی اچھا ہے، عبادت زیادہ کی جائے گی۔ یہ سب اُن کی جھوٹی باتیں تھیں۔ اگر یہ سچی ہوتیں تو اُن کا مقصد ضرور پورا ہوتا۔ جھوٹی باتوں کی مثال گندگی پر اُگے ہوئے سبزے کی سی ہے۔ بے وفاؤں کی مہربانی پُرانے پل کی طرح ہوتی ہے۔ انسان بے خبری میں اُس پر سے گزرتا ہے تو پل بیٹھ جاتا ہے۔ لشکروں کو شکستیں بھی عموماً بے وفاؤں کی وجہ ہی سے ہوتی ہیں۔

منافقوں کا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بہکانا کہ مسجدِ ضرار میں تشریف لے جائیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اُن کے مکر کو نہایت بُردباری سے ظاہر نہ کرنا

مُنافق جو حرکتیں کرتے تھے حضور ﷺ اُن کی حقیقتوں سے واقف ہوتے ہوئے بھی شرافتِ نفس کی وجہ سے اُن کا اظہار نہ فرماتے تھے۔ وہ فرماتے: میں تم سے زیادہ تم پر مہربان ہوں۔ اُنہوں نے حضور ﷺ سے مسجد میں چلنے کی درخواست کی لیکن وحی کے ذریعے منافقوں کے اصل احوال سے اُن ﷺ کو باخبر کر دیا گیا۔ حضور ﷺ غزوہ تبوک پر تشریف لے گئے۔ مُنافق پھر آئے اور اُن ﷺ کو وہاں چلنے کو کہا۔ اللہ کا حکم آ گیا کہ اُن کو صاف انکار کر دو۔ آنحضور ﷺ نے اُن کو فرمایا: ''چپ رہو ورنہ تمہاری جملہ سازشیں کھول دوں گا''۔ مُنافقوں نے یہ چال صحابہ میں انتشار پیدا کرنے کی غرض سے کی تھی۔ حضور ﷺ نے صحابہ کو آگاہ کرنے کے لیے اُن کی سازشوں کا ذکر فرما دیا۔ مُنافق اُس وقت تو شرمندہ ہو کر چلے گئے لیکن بعد میں قرآن کو لے کر آئے اور اُس کی قسمیں اُٹھائیں۔ قرآن

گریۂ اُو خندۂ اُو زاں سری ست
شیخ کا رونا اور ہنسنا اللہ کی طرف سے ہے

زانچہ وہم و عقل باشد آں بری ست
جو عقل یا خیال سے الگ ہے

نے فرمایا کہ مُنافق اپنی قسموں کو ڈھال بناتے ہیں۔ جھوٹے لوگ ہمیشہ زیادہ قسمیں کھاتے ہیں۔ اللہ نے قرآن میں فرمایا: خدا گواہی دیتا ہے کہ ضرور مُنافق جھوٹے ہیں۔ آپ ﷺ مسجدِ ضرار میں ہرگز قیام نہ کریں۔ اُن کی تمام قسمیں جھوٹی ہیں۔

صحابہ رضوان اللہ علیہم میں سے ایک کا شبہ کے ساتھ سوچنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پردہ پوشی کیوں نہیں فرماتے

ایک صحابی نے حضور ﷺ کی جانب سے مُنافقوں کی تکذیب کو کرم اور ستر پوشی کے خلاف سمجھا۔ صحابی کے دل میں یہ بات مُنافقوں سے محبت کی وجہ سے پیدا ہوئی۔ وہ سویا تو خواب میں اُسے مسجدِ ضرار گندگی سے پُر نظر آئی۔ اُس کے پتھروں سے کالا دُھواں اُٹھ رہا تھا اور اُس کے حلق میں گھس رہا تھا۔ وہ فوراً اُٹھے۔ اُنہوں نے سمجھ لیا کہ یہ خواب اُن کے لیے تازیانہ ہے۔ حضور ﷺ جس غصّے کا اظہار فرما رہے تھے وہ بہتر تھا بہ نسبت اُس علم کے جس کو میں نے اچھا سمجھا اور اُس کو بہتر سمجھنے کی بدولت نورِ ایمان سے محروم ہو رہا ہوں۔ وہ لوگ جو حقیقت سے محروم ہوں اُن کے اعمال کی ہر تہہ پیاز کے چھلکے کی طرح بے مغز اور بدبودار ہوگی۔ مُنافقوں کا مسجدِ قُبا کو برباد کرنے کا ارادہ اُسی طرح کا تھا جیسا ابرہہ کے لشکر کا خانہ کعبہ کو برباد کرنے کا تھا۔ سب صحابہ کو اسی طرح کے خواب دکھائے گئے۔ صحابہ چونکہ اصلی مسلمان تھے، قرآنی احکام پر بے دلیل ایمان رکھتے تھے اور آنکھ بند کر کے حضور ﷺ کے احکام پر عمل کرتے تھے۔

وہ شخص جو اپنا گمشدہ اُونٹ تلاش کرتا تھا

تیرا اونٹ گم ہوگیا اور تُو چستی سے اُس کی تلاش میں سرگرداں ہوگیا۔ تُو لوگوں سے پوچھتا پھرتا ہے اور کہتا ہے کہ جو میرے اونٹ کی خبر بتائے گا انعام پائے گا۔ کمینے لوگ تیرا مذاق اُڑائیں گے، مگر جس میں قبولِ حق کی استعداد ہوتی ہے وہی حق کو قبول کرتا ہے۔

اللہ کی ذات نظروں سے غائب ہے اور لوگ طرح طرح سے اُس کی صفات بیان کرتے ہیں۔ ذاتِ باری کے بارے میں فلاسفہ کا قول ہے کہ ذات خالص ہے اور صفات فرضی ہیں۔ بعض لوگ کُل صفات کو مانتے ہیں اور کیفیت کی تفصیل نہیں کرتے۔ بعض ذات کے عرفان کے مدعی ہیں لیکن حقیقت سے خالی ہیں۔ اُن سب گروہوں کی نہ سب باتیں صحیح ہیں اور نہ سب غلط ہر باطل کے ساتھ کچھ نہ کچھ حق ضرور ملا ہوا ہوتا ہے۔ کھوٹے سکے میں ملاوٹ کے ساتھ کچھ اصل بھی ضرور ہوتا ہے۔ جھوٹے آدمی کے جھوٹ میں کچھ نہ کچھ سچ بھی ملا ہوتا ہے۔ اگر کجی کے ساتھ سیدھا پَن نہ ہوتو

ہر کسے را خدمتے دادہ قضا
قُدرت نے ہر ایک کے لیے ایک خدمت عطا کی ہے

در خورِ آں گوہرش در ابتلا
جو کہ اس کی استعداد کے مطابق آزمائش ہے

کوئی خریدار نہیں بنے گا۔

سب مذاہب میں حق اور باطل ملا جُلا ہے۔ ہر مذہب کی ہر بات کو باطل نہیں کہا جا سکتا۔ حق میں باطل اُسی طرح چُھپا ہوتا ہے جس طرح شبِ قدر دوسری راتوں میں۔ پوشیدہ رکھنے میں یہ حکمت ہے کہ اصل کی تلاش جاری رہے۔ مصنوعی فقراء میں بھی کوئی اللہ کا بندہ ہوتا ہے۔ عقل مند مومن کو چاہیے کہ اُن میں تلاش کرے، اگر سب سودے بے عیب ہوں تو ہر بے وقوف سوداگر بن بیٹھے۔ اگر سب معیوب ہوں تو عقل کا کوئی کام نہیں رہتا۔ جو لوگ انبیاء ﷩ کی ہدایت کے ماتحت اعمالِ حسنہ کا کاروبار کرتے ہیں وہ نفع میں ہیں لیکن دنیاوی نفع مدِ نظر نہیں ہونا چاہیے۔ فرعون اور ثمود نے دنیاوی نفع کو نفع سمجھا، اُن کا حشر دیکھ لو۔

ہر چیز کی آزمائش تاکہ اُسکی بھلائی اور بُرائی ظاہر ہو جائے

چونکہ دُنیا میں نہ خیرِ محض ہے اور نہ شرِ محض۔ اِس لیے ہر چیز پر غور کر لینا چاہیے۔ قرآن میں ہے: ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ إِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَهُوَ حَسِيرٌ (پھر بار بار نظر کو لوٹا وہ کھسیانی ہو کر تھکی ماندی تیری طرف واپس ہو گی) کیا تُو آسمان میں کوئی شگاف دیکھتا ہے۔ اگر وہ آسمان کو غور سے دیکھنے کی تاکید کرتا ہے تو زمین پر کتنی بار نظر ڈالنا اُسے پسند ہو گا۔ اپنے اخلاق میں سے اچھے بُرے میں تمیز کرنے کے لیے بھی عقل پر زور دینے کی ضرورت ہے۔ زمین پر مختلف عوارض اِس لیے قائم کیے گئے ہیں کہ زمین کی مخفی چیزوں کی پہچان ہو جائے تاکہ لعل اور سنگ الگ الگ پہچانے جائیں۔

اللہ کی صفات قہر و مہر بھی پوشیدہ چیزوں کو خوف اور اُمید کی وجہ سے ظاہر کرنے کے لیے ہیں۔ مجاہدہ کرنے والے پر بھی کبھی قبض اور کبھی بسط کی حالتیں آتی رہتی ہیں کہ خاکی جسم رُوح کے خزانے کو باہر نکالے۔ جسم نے رُوح کی دولت کو چُرا رکھا ہے۔ اللہ کی طرف سے جنتوں اور نعمتوں کے وعدے اور انجامِ بد اور جہنم کی وعیدیں بھی اسی لیے ہیں تاکہ اچھے اور بُرے میں اِمتیاز ہو جائے۔ عقل کے علاوہ شیخ کامل بھی یہی کام کرتا ہے لیکن شیخ کو پہچاننے کے لیے فطرتِ سلیمہ کی ضرورت ہے۔ سلیم فطرت والا عہدِ الست سے اُس ذوق سے واقف ہے۔ اِس لیے وہ ذوق کی ہر حالت کو پہچان لے گا۔

حضرت موسیٰ ﷤ کی والدہ کو دودھ پلا کر صندوق میں بند کر کے دریا میں بہانے کا حکم اِسی لیے دیا گیا کہ وہ اپنی ماں کے دودھ سے آشنا ہو کر غیر دودھ پلانے والیوں سے منہ موڑ لیں۔ شیخ کامل کا دیا ہوا ذوق ناقص شیخ مہیا نہیں کر سکے گا۔

ہر کسے را خدمتے دادہ قضا
قُدرت نے ہر ایک کے لیے ایک صفت عطا کی ہے

در خورِ آں گوہرش دَر ابتلا
جو کہ اس کی استعداد کے مطابق آزمائش ہے

جب انسان تلاشِ حق میں نکلتا ہے تو مختلف لوگوں سے اُس کا واسطہ پڑتا ہے۔ بعض صحیح لوگ ہوتے ہیں بعض غلط، اگر انسان میں فطرتِ سلیمہ موجود ہو اور اُس میں عہدِ اَلَسْت کی بُو ہو تو وہ صحیح اور غلط کی پہچان کر لے گا۔ بعض لوگوں میں حقیقی طلب نہیں ہوتی' وہ دیکھا دیکھی پیر کے ساتھ لگ جاتے ہیں۔

اگر کوئی صحیح نشانیاں بتانے والا مل جائے تو اونٹ والے کو اُس کے اونٹ کی تلاش میں آسانی رہتی ہے۔ اُس کے بیان پر خوش ہوتا ہے اور اُس کے بتائے ہوئے راستے پر چلتا ہے کہ اونٹ تک پہنچ جائے۔ اُس کی جسمانی اور رُوحانی طاقت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ وہ اُسے کہتا ہے کہ جب تُو نے مجھے صحیح نشانیاں بتا دی ہیں تو میرے ساتھ چل اور اُس کو پکڑوا دے۔ جو گمشدہ اونٹ کا مُتلاشی نہیں اور محض مقابلے یا نقل کی وجہ سے تلاش کا مُدّعی بن گیا ہے اُس کے لیے صحیح علامتیں بھی کوئی معنی نہیں رکھتیں۔ وہ تو صرف حقیقی طالب کی نقل اُتار رہا ہے۔ صحیح طالب کی خوشی سے اُس نقال کو بھی یہ محسوس ہوا کہ وہ حقیقی طالب تھا لیکن اس طرح اُس کو بھی اپنے پُرانے گمشدہ اونٹ کا خیال آ گیا جسے اُس نے فراموش کر رکھا تھا۔ صحیح طالبوں کے ساتھ اگر کوئی نقال لگ جائے تو بعض اوقات اُس کو اپنی گمشدہ چیز بھی یاد آ جاتی ہے اور تلاش سے وہ اُسے حاصل کر لیتا ہے۔ اُس میں اخلاص پیدا ہو جاتا ہے اور اُس کی طلب بھی حقیقی ہو جاتی ہے۔ وہ کہتا ہے تیری نقالی کرنے نے مجھے حقیقی طلب تک پہنچا دیا۔

وہ شخص قابلِ مُبارک باد ہے جو اپنا عیب دیکھے۔ اگر کوئی اپنا عیب بتائے تو اُسے اپنے لیے تسلیم کرے۔ اگر وہ عیب تجھ میں نہیں ہے تو مطمئن نہ ہو۔ ہو سکتا ہے وہ عیب تجھ میں ظاہر ہو جائے، اپنے عیب کو تسلیم کرنا انکساری اختیار کرنا ہے جو اللہ کی رحمت کا سبب اور مقام ہے۔ شیطان مُعلّم اُلملکوت تھا پھر بھی ابلیس بنا۔ تو انسان کو اپنے بارے میں مطمئن نہ ہونا چاہیے۔ دوسروں کی عیب جوئی کی بجائے اپنے عیوب کی نگرانی کرنی چاہیے۔ جب تک اپنا عیب زائل نہ کر لو دوسرے کو طعنہ نہ دو۔ خدا کا شکر کرو کہ تم دوسروں کے لیے باعثِ عبرت نہیں بنے۔

غزوں کا ایک شخص کو قتل کرنے کا ارادہ کرنا کہ دوسرا ڈرے

یہ ترکوں کی ایک غارت گر قوم تھی۔ اُنہوں نے ایک گاؤں کے دو آدمیوں کو پکڑ لیا اور اُن میں سے ایک کے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے اور اُسے مارنے لگے۔ اُس نے کہا: مجھے قتل کیوں کرنا چاہتے ہو جب کہ میں مفلس ہوں؟ وہ بولے: اِس لیے کہ تیرے دوست پر دہشت طاری ہو اور وہ اپنی دولت دے دے۔ وہ بولا: وہ تو مجھ سے بھی مسکین ہے۔ پہلے اُسے قتل کرو تا کہ میں روپے کا پتہ بتا دوں۔ خدا کا کرم دیکھو کہ ہم آخری زمانے میں

چُوں نظر شاں کیمیائے خود کجاست	ہم نشینیِ مُقبلاں چُوں کیمیاست
اُن کی نظر جیسی، کیمیا (بھی) کہاں ہے؟	میرے پیارے بزرگوں کی مصاحبت، کیمیا ہے

آئے اور قومِ نوح علیہ السلام اور قومِ ہود علیہ السلام کی ہلاکت ہمیں دکھادی۔ اُن کو برباد کیا تاکہ ہم سبق حاصل کرلیں۔

اُن لوگوں کی حالت کا بیان جو انبیاء علیہم السلام اور اولیاء رحمۃ اللہ علیہم کے وجود کی نعمت کے ناشکرے ہیں

اللہ نے پہلی قوموں کا کمینی دُنیا سے عشق اور ہوس کا ذکر کیا ہے اور نصیحت کرنے والوں کے ساتھ اُن کے سلوک کا ذکر کیا ہے۔ اُن کے بُرے اَحوال اور بُرے انجام ہمارے سامنے کھول دیے ہیں، تُو اُن سے عبرت کیوں حاصل نہیں کرتا۔ اگر کوئی بزرگ لوگوں کی بُرائی پر برداشت سے کام لیتا ہے تو تُو کہتا ہے یہ عاجز ہے، کسی کا کیا بگاڑ لے گا۔ اگر غصہ کرے تو تُو اُنہیں مغرور کہہ دے گا۔ تُو اُن سے مُنافقت برتتا ہے۔ دین پر عمل نہ کرنے کی وجہ بال بچوں کی مصروفیت بتاتا ہے۔ بغیر کوئی عمل کیے بزرگوں سے باطنی توجہ چاہتا ہے تاکہ ولی بن جائے۔ یہ تیری ساری مجبوریاں خدا اور دین کے معاملے میں ہیں شیطان اور کھانے کمانے کے معاملے میں نہیں ہیں۔ دُنیا کے لیے بھاگا پھرتا ہے اور دین کے معاملے میں بے عمل صابر بن کر بیٹھا ہے۔ دُنیا کے کاموں میں پوری توجہ دینا دراصل اللہ سے بے نیازی ہے۔ بے عمل کا بغیر جستجو کیے یہ کہنا کہ اللہ غفور و رحیم ہے بخش دے گا، شیطانی وسوسہ ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے معبود کی تلاش میں فرمایا، میں دونوں جہانوں میں جب تک اپنے رَبّ کو نہ پہچان لوں کسی کی طرف نگاہ نہیں اُٹھاؤں گا۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ حال ہے تو اُن لوگوں پر تعجب ہے، جو خدا کی ذات و صفات کو پہچانے بغیر زندگی بسر کرتے ہیں۔ خدا کی معرفت کے بغیر کھانا پینا جانوروں کا کام ہے۔ قرآن میں خدا نے اُنہیں چوپائے کہا ہے۔ جس نے معرفت حاصل کیے بغیر زندگی گزاری اگرچہ وہ کتنا ہی قابل اور ہوشیار ہو اُس نے دُنیا کی زندگی بھی فضول گنوائی اور آخرت کا توشہ بھی حاصل نہ کیا۔ تُو جو کہتا ہے کہ اللہ غفور ہے بخش دے گا، یہ تیرے نفس کا دھوکا ہے۔ اگر تُو رَبّ کو مانتا ہے تو اس غم میں کیوں مرا جارہا ہے کہ ہاتھ میں روٹی نہیں۔

ایک بوڑھے کا طبیب سے اپنی بیماریوں کی شکایت کرنا اور اُس کا جواب

اِس حکایت کا مطلب یہ ہے کہ جب کسی کے نفس کی بُرائی ظاہر کی جاتی ہے تو اُس کے نفس کو بہت بُرا لگتا ہے لہٰذا نفس کا علاج ضروری ہے۔ ایک بوڑھے نے طبیب سے کہا: دماغ کمزور ہوگیا ہے، کمر میں درد ہے، کھانا ہضم نہیں ہوتا، سانس رُکتا ہے، شہوت کم ہوگئی ہے، کمر جھک گئی ہے۔ طبیب بولا: یہ سب کچھ بڑھاپے کی وجہ سے ہے۔ بوڑھا بولا: اے بد دماغ! تیرے علم نے تجھے یہی سکھایا ہے۔ کیا ہر مرض کا علاج

نہیں ہے؟ تُو بالکل گدھا ہے۔ طبیب بولا: اے بوڑھے! تیرا یہ غصہ بھی بڑھاپے کی وجہ سے ہے۔ تیری تمام تکلیفیں تیرے بڑھاپے کی وجہ سے ہیں۔ سوائے اس بوڑھے کے جس کو رُوحانی طاقت حاصل ہوتی ہے۔

انبیاء علیہم السلام اور اولیاء رحمہم اللہ کے جسم بوڑھے لیکن ہمت جواں ہوتی ہے۔ لوگوں کا اُن سے حسد اور بُغض کامل لوگوں کے کمال کی دلیل ہے۔ اگر حاسد یہ جان لیں کہ اُن کے ساتھ قیامت میں کیا ہونے والا ہے تو وہ کبھی کاملین کے ساتھ بُرا سلوک نہ کریں۔ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء رحمہم اللہ کے جسموں کے اجزاء، اللہ کی بہشت اور دوزخ کے مظہر ہیں۔ چونکہ وہ اخلاقِ خداوندی حاصل کر چکے ہیں اس لیے اُن کے مراتب تصور سے بالاتر ہیں۔ جو فکرِ انسانی میں سما جائے وہ فانی ہے، خدا نہیں ہوسکتا۔ خدا وہی ہے، جسے عقل سمجھ نہ سکے۔ کاملین کے گستاخ کبھی جرأت نہ کریں اگر یہ جان لیں کہ اُن کے باطن میں کیا ہے۔ بے وقوف لوگ مسجد کی تعظیم تو کرتے ہیں لیکن بزرگوں کے دل کی تعظیم نہیں کرتے جو کہ حقیقی مسجد اور خانۂ خدا ہے۔ اولیاء رحمہم اللہ کے دل کو ستانا قوم کی ہلاکت کا سبب بنتا ہے۔ گستاخوں کی نگاہ صرف اولیاء رحمہم اللہ کے جسم پر ہے، اُن کی رُوح اُن کے پیشِ نظر نہیں ہے۔ اگر کسی پر خدائی گرفت نہیں ہوتی تو یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ کبھی گرفت نہ ہوگی۔

بچّہ، جو اپنے باپ کے جنازے کے آگے روتا تھا اور شیخ چلّی کی بات

پہلے قصے میں بتایا گیا تھا کہ ہر انسان میں وہ خصلتیں موجود ہیں، جو برباد شدہ قوموں میں تھیں لیکن وہ اُن سے غافل ہے۔ اس قصے میں ایک بچّہ اپنے باپ کے جنازے کے ساتھ روتا جاتا ہے اور کہہ رہا ہے کہ یہ لوگ تمہیں وہاں لے جارہے ہیں، جو جگہ بہت تنگ ہوگی۔ آرام کی کوئی چیز وہاں موجود نہیں ہوگی، نہ قالین، نہ چراغ، نہ کھانے، نہ پانی، نہ دوست، نہ رشتہ دار، آپ کا خوبصورت بدن اُس میں کیسے رہے گا؟ شیخ چلّی یہ باتیں سُن رہا تھا وہ اپنے باپ سے کہنے لگا: ابا! خدا کی قسم، اِسے ہمارے گھر لے جارہے ہیں۔ یہ ساری علامتیں تو ہمارے گھر جیسی ہیں۔

شیخ چلّی نے قبر جیسی تمام علامتیں اپنے گھر میں دیکھیں، اسی طرح ہلاک شدہ قوموں کی علامتیں ہر انسان میں موجود ہیں۔ جس دل میں خدا کا نور نہ ہو وہ اللہ کی محبت سے بے ذوق ہے۔ اِس دل سے تو قبر کا گڑھا بہتر ہے۔ اپنے دل کو اِس گڑھے سے نکالنا انسان کا اپنا کام ہے۔ جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام عارضی طور پر قید خانہ میں چلے گئے تھے اور پھر باہر نکلے۔ تُو بھی اپنے دل کو قید خانے سے باہر نکال۔ حضرت یونس علیہ السلام نے مچھلی سے نجات کے لیے تسبیح پڑھی تو مچھلی کے پیٹ سے آزاد ہوئے۔ تُو بھی تسبیح پڑھ۔ قرآن میں ہے کہ اگر یونس علیہ السلام تسبیح نہ پڑھتے تو قیامت تک مچھلی کے پیٹ میں

یک زمانے صحبتے با اولیاء
تھوڑی سی دیر بھی اولیاء کی ہم نشینی

بہتر از صد سالہ طاعتِ بے ریا
سَو سالہ بے ریا عبادت سے بہتر ہوتی ہے

رہتے۔

ازل میں اللہ نے تمام رُوحوں سے اپنی تسبیح کا اور ربوبیت کا اِقرار لیا تھا۔ انسان کا عبادت کی طرف رُجحان بھی عہدِ اَلَسْت کی علامت ہے۔ اگر کسی انسان میں عہدِ اَلَسْت کی فطرتِ سلیمہ باقی نہیں رہی تو وہ اولیاء اللہ رحمہم اللہ سے اُس کو حاصل کر لے۔ دُنیا کو سمندر، جسم کو مچھلی اور رُوح کو یونس علیہ السلام سمجھ۔ جس طرح حضرت یونس علیہ السلام نے تسبیح کی برکت سے مچھلی کے پیٹ سے نجات پائی ورنہ وہ قیامت تک وہیں رہتے۔ تم بھی اپنی رُوح کو تسبیح کے ذریعے جسم کی مچھلی سے نجات دلاؤ ورنہ مچھلی تمہیں ہضم کر لے گی۔ اولیاء اللہ رحمہم اللہ رُوحانی مچھلیاں ہیں اُن کی خواہش ہے کہ تُو اُن سے فیض حاصل کرے۔ اپنے حالات پر صبر اِختیار کر۔ جس طرح پُلِ صراط سے گزر کر جنت میں داخلہ ہے اِسی طرح صبر سے رُوحانی کشادگی حاصل ہوگی۔ صبر کی تلخی برداشت کرو گے تو اللہ کے بندوں کی طرح صبر کی لذّت سے بھی آشنا ہو گے۔ اگر کوئی مردِ خدا نہیں ہے تو اُس کا عروج عارضی ہے۔ فقیروں (گداگروں) کے جھنڈے محض روٹی مانگنے کے لیے ہوتے ہیں اُن کی نمازیوں کے جھنڈوں سے کوئی نسبت نہیں۔

ایک بچے کا موٹے آدمی سے ڈرنا اور آدمی کا کہنا کہ مجھ سے نہ ڈر، مَیں مَرد نہیں ہُوں

ایک بچہ ایک موٹے تازے آدمی کو دیکھ کر ڈرا کہ نہ معلوم یہ کیا کرے گا۔ موٹا آدمی بولا: میرا بھاری بھرکم بدن ہی خوفناک ہے۔ ہمت اور بہادری سے خالی ہوں۔ تُو میرے اُوپر سوار ہو کر اونٹ کی طرح مجھے ہانک سکتا ہے۔ بہت سے انسان بظاہر بہادر دکھائی دیتے ہیں لیکن اندر سے بزدل شیطان ہوتے ہیں۔ ایک ڈھول درخت پر لٹکا ہوا تھا۔ درخت کی شاخیں ہوا سے اُس پر ضرب لگا دیتی تھیں، کسی لومڑی نے اُس سے ڈر کر اپنا چھوٹا شکار چھوڑ دیا۔ بنے ہوئے شیوخ کی بھی یہی صورت ہوتی ہے کہ عوام اُن کی باتوں اور جسموں کے دھوکے میں آ جاتے ہیں۔ اگر کوئی بزدل میدان میں بہادری کے ہتھیار باندھ کر نہ آتا تو بچا رہتا۔

مکروفریب کا جال (ہتھیار) خود انسان کا پیدا کردہ ہے اور وہی اُس کی ہلاکت کا باعث بنتا ہے۔ حیلے چھوڑ دے، خلوص سے اللہ کو طلب کر، اپنے آپ کو سادہ لوح بنا لے اور بدبختی سے بچ جا۔ فرشتوں کی طرح کہہ دے ہمارے پاس علم نہیں ہے، سوائے اِس کے جو تُو نے ہمیں سکھایا۔ اُس راستے میں جس نے اپنی عقل اور حیلے پر گھمنڈ کیا بے وقوف ہے۔ آخرت کے معاملے میں صرف کار آمد عقل ہی سے رہنمائی مل سکتی ہے ورنہ پُرخلوص جہل چالاکی کی عقل کے مقابلے

گر تو سنگِ خارہ مرمر شوی
اگر تُو سنگِ خارہ ہے تو سنگِ مرمر بن جائے گا

چوں بصاحبِ دل رسی گوہر شوی
جب کسی صاحبِ دل کے پاس پہنچے گا تو موتی بن جائے گا

کامیاب ہو جاتا ہے۔

بَدُّو، جس نے بورے میں ریت بھری اور عقل مند کا اُسے ملامت کرنا

ایک بدو اونٹ پر گیہوں کا بورا لے جا رہا تھا۔ وزن دونوں طرف برابر رکھنے کے لیے دوسری طرف ریت کا بورا تھا۔ اونٹ وزن زیادہ ہونے کی وجہ سے بیٹھ گیا۔ ایک سوال کرنے والے نے اُس سے پوچھا: تم نے کیا بھرا ہوا ہے؟ وہ بولا: ایک بورے میں گیہوں ہے اور وزن برابر کرنے کے لیے دوسرے میں ریت ہے۔ عقل مند نے کہا: بجائے ریت بھرنے کے گیہوں کو ہی آدھا آدھا بھر لیتے۔ بدو کی عقل میں یہ تجویز نہ آئی تھی، وہ بہت خوش ہوا۔ اُس نے پوچھا: اے دانا! اپنا کچھ اَحوال بتا؟ تُو بادشاہ ہے یا وزیر ہے؟ تُو کتنا امیر ہے؟ تُو بہت عقل مند ہے، تیرے پاس تو خزانے ہوں گے۔ اُس نے کہا: میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ روٹی کی اُمید پر مارا مارا پھرتا ہوں۔

بدو نے کہا: اتنی عقل کے ہوتے ہوئے اتنا افلاس تو بدبختی کی دلیل ہے۔ تیرا ساتھ میرے لیے بہتر نہیں ہے۔ میری بے وقوفی تیری عقل سے بہتر ہے۔ تو اپنی عقل اور دانائی کو کم کر لے تاکہ بدبختی کم ہو جائے۔ وہ چالاکی اور دانائی جو فطری ہو اور اللہ کے نور سے بے فیض ہو، بدبختی کا سبب بنتی ہے۔ دُنیا کی سمجھ ظن اور شک بڑھاتی ہے اور دین کی سمجھ آسمان پر لے جاتی ہے۔ عقل والے اکثر مکر اور حیلے سیکھتے ہیں۔ سمجھ تو وہ ہے جس سے شاہ کی طرف راستہ کھلے، دینِ احمدی کی سلطنت لازوال ہے۔ نظرِ بد اُس سلطنت سے دُور ہے۔

دریا کے کنارے سُلطان ابراہیم اَدھم رحمۃ اللہ علیہ کی کرامت

ابراہیم ابن ادہم رحمۃ اللہ علیہ ایک دریا کے کنارے بیٹھے تھے۔ وہ پہلے بادشاہ ہوتے تھے اور بعد میں درویشی اختیار کر لی۔ اُن کے امیروں میں سے ایک نے اُنہیں پہچان لیا اور اُن کی حالت دیکھ کر حیران رہ گیا۔ بزرگ لوگ عام لوگوں کے دلی وساوس کو تاڑ لیتے ہیں۔ بزرگوں کے سامنے جا کر بُرے وسوسے نہیں لانے چاہئیں۔ لوگ احمق ہیں، دنیاوی بادشاہوں کے سامنے اخلاص سے جاتے ہیں اور بزرگوں کی مجلس میں فاسد خیالات لے کر جاتے ہیں۔ اگر تُو کور باطن ہے تو بزرگوں کے سامنے زیادہ ذلیل بن کر جا۔ شیخ اُس امیر کے وسوسے کو تاڑ گئے اور اپنی سوئی جس سے گدڑی سی رہے تھے دریا میں پھینک دی اور پھر سوئی دریا سے واپس مانگی۔ مچھلیاں سونے کی لاکھوں سوئیاں ہونٹوں میں لیے نمودار ہوئیں۔ ابن ادہم رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اے خدا! مجھے تو صرف اپنی سوئی چاہیے۔ ایک اور مچھلی اُن کی سوئی

صُحبتِ صالح تُرا صالح کُند
نیک کی صحبت تجھے نیک بنائے گی

صُحبتِ طالح تُرا طالح کُند
بدبخت کی صحبت تجھے بدبخت بنائے گی

منہ میں لیے حاضر ہوئی۔ ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ علیہ نے سردار سے کہا: دُنیا کی شاہی کا طلب گار نہ بن، رُوحانی شاہی طلب کر۔ عالمِ غیب ایک باغ ہے، جس کا تھوڑا سا حصہ اِس دُنیا میں رکھ دیا گیا ہے۔ عالمِ غیب مغز ہے اور یہ دُنیا اُس کا ادنیٰ چھلکا ہے۔ اگر عالمِ غیب کے باغ میں قدم نہیں پہنچتا تو اُس کی خوشبو حاصل کرنے کی کوشش کر۔ خواہشاتِ نفسانی کے زکام کو دفع کر۔ عاشقوں کی صحبت میں جا، جب عالمِ غیب کی خوشبو سونگھے گا تو رُوح عالمِ غیب کی طرف کھینچے گی اور آخر کار سینے میں تجلیاتِ رَبّ کا ظہور ہوگا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص میں وہی عالمِ غیب کی خوشبو تھی جس سے حضرت یعقوب علیہ السلام کی نابینا آنکھیں روشن ہوگئیں۔ یہی عالمِ غیب کی خوشبو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں محسوس ہوتی۔ فرمایا: میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز ہے۔ لطائفِ ستہ، قلب، رُوح، نفس، سرّ، خفی، اخفیٰ ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں۔ اگر ایک مصفّٰی ہوجائے تو دوسرے بھی غذا حاصل کرتے ہیں۔ قلب کو ذکر کی غذا ملتی ہے تو دوسرے لطائف بھی متاثر ہوتے ہیں۔ آنکھ متاثر ہوتی ہے تو اُس سے دل بھی اثر پکڑتا ہے اور اُس میں کیفیتِ اخلاص، صدق اور عشق پیدا ہوجاتی ہے۔ عشق سے اخلاص پیدا ہوا تو اُس سے دیگر حواس متاثر ہوجاتے ہیں اور اُن میں وصلِ محبوب کا ذوق پیدا ہوجاتا ہے اور اِس طرح رحمتِ خداوندی سے عالمِ غیب سے تعلق قائم ہوجاتا ہے۔ ہر لطیفہ دوسرے لطائف کے لیے جنت کے عرفان کی پیغام بَری کا کام دینے لگتا ہے۔ اِس طرح لطائف کے باہمی تعلق میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں رہتی۔

جب مرید کے حواس شیخ کے حواس کے تابع ہوگئے تو آسمان و زمین تک شیخ کے تابع ہوجائیں گے۔ چھلکا بھی اُسی کی ملکیت ہوتا ہے جو مغز کا مالک ہو۔ جسم اور رُوح کی وہی نسبت ہے جو کہ آستین اور ہاتھ کی۔ عقل اور رُوح کے مخفی ہونے میں فرق ہے۔ عقل رُوح کے اعتبار سے زیادہ مخفی ہے۔ رُوح دوسرے کی رُوح کو جلدی پہچان لیتی ہے اور عقل دیر میں۔ ہر انسان نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عقل کو جان لیا اور اُن کو عقل مند کہا لیکن بہت سارے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبولِ وحی کی اِستعداد کو نہ پہچان سکے۔ وحی کی اِستعداد کی بھی کچھ علامتیں ہیں لیکن چونکہ وہ نادر ہوتی ہیں اِس لیے عقل اُن کو نہیں پہچانتی اور اُن علامتوں کو جنون کا اثر سمجھتی ہے، کبھی حیران ہوجاتی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام کے کاموں کو ناموزوں سمجھا اور اِعتراض کیا۔ اَسرارِ غیبی کو سمجھنے میں جب حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے عظیم پیغمبر کی عقل ناکارہ ہوگئی تو ہم جو ہے جیسی عقل والے کب اُس کا ادراک کرسکتے ہیں۔ تحقیقی علم والا خاموشی سے اللہ کے ساتھ خرید و فروخت میں لگا رہتا ہے **اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ**

سنگِ سُرمہ چونکہ شُد در دیدگاں
سُرمہ کا پتھر جب آنکھوں میں پہنچا

سنگِ بینائی شُد اِیں جا دیدہ باں
بینائی کا پتھر آنکھ کا نگہبان بن گیا

بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ "خدا نے مومنوں سے اُن کی جانیں اور مال جنت کے عوض خرید لیے ہیں"۔ ہر علم کا خریدار اُس کے مناسب ہوتا ہے۔ حضرتِ آدم علیہ السلام کے علوم کے خریدار فرشتے تھے نہ کہ دیو، پری۔ جن لوگوں کا تعلق صرف عالمِ سفلی سے ہے اُن کا تعلق چوہے کے علم کی طرح صرف خوراک سے ہے۔ لہٰذا اُن کو اتنی ہی عقل عطا ہوئی۔
دنیا کو اگر زمین کی ضرورت نہ ہوتی تو زمین نہ بنتی، اگر دُنیا کو آسمانوں کی ضرورت نہ ہوتی تو وہ پیدا نہ کیے جاتے۔ سورج، چاند ستارے سب ضرورت کے تحت ہی پیدا کیے گئے ہیں۔ اشیاء کا وجود اُن کی ضرورت کی شدت کی وجہ سے ہے۔ تُو اپنی احتیاج اور ضرورت کو بڑھا تاکہ دریائے کرم جوش میں آئے۔ دُنیا کا یہی دستور ہے کہ جب تک فقیر اپنی مجبوری اور ضرورت کا اظہار نہیں کرتا اُس کو کوئی کچھ نہیں دیتا۔ عالمِ ناسُوت میں پھنسے ہوئے اگر ضرورت محسوس کریں تو خدا اُن کو نورِ بصیرت عطا فرما دے۔ جب ان کو نورِ بصیرت عطا ہو جائے تو اُن کی عالمِ لاہُوت کی طرف پرواز شروع ہو جائے گی۔ پھر اُن پر اَسرارِ خداوندی کھلیں گے اور وہ بلبل کی طرح نغمہ سرائی کرنے لگیں گے۔
جسم اور رُوح کی نسبت اگر مفہوم سے ہوتی ہے تو صرف اِس قدر جیسا کہ پانی کی نہر سے یا پرندے کی گھونسلے سے۔ اُن کا تعلق درحقیقت غیر معلوم ہے۔ رُوح کی قوتِ فکریہ میں ہمیشہ اچھے بُرے خیالات آتے جاتے رہتے ہیں۔ جیسے پانی بظاہر ٹھہرا ہوا نظر آتا ہے لیکن رواں ہوتا ہے، اِسی طرح سے رُوح ملاءِ اعلیٰ کی طرف سے رَواں ہے لیکن اِس کا احساس نہیں ہوتا۔ سطحِ آب کی روانی خس و خاشاک کے گزرنے سے معلوم ہو جاتی ہے۔ اِسی طرح رُوح کی قوتِ فکریہ میں مختلف خیالات کے آنے سے اُس کی روانی معلوم کی جاسکتی ہے۔ رُوح کی قوتِ فکریہ کی سطح پر جو چھلکے ہیں وہ غیبی پھلوں کے چھلکے ہیں۔ اُن چھلکوں کا مغز غیبستان میں تلاش کر۔ لامحالہ اُس کا کوئی منبع ہے۔ عام عارفوں کی رُوح کی روانی تیز ہے، اِس لیے اُن پر غم و غصہ کے خس و خاشاک زیادہ دیر نہیں ٹھہرتے۔

ایک اجنبی شخص کا ایک شیخ پر طعنہ زنی کرنا اور اُن کے مُرید کا اُس شخص کو جواب دینا

ایک بے وقوف نے ایک شیخ پر تُہمت رکھی کہ وہ بُرا آدمی ہے تو مریدوں کا کیا دستگیر ہوگا۔ ایک شخص نے اُس سے کہا: بڑوں پر تُہمت دھرنا بہت بُری بات ہے۔ تُو نے جو بُرائیاں اُن میں بیان کی ہیں وہ اُن میں نہ ہوں گی۔ اگر ہوں بھی تو فنائیت کے غلبے کی وجہ سے اُس بُرائی کو شرعی اعتبار سے معصیت نہیں سمجھا جائے گا کیونکہ اگر دریا میں ایک مُردار گر جائے تو شرعی طور پر اُسے گندہ قرار نہیں دیا جاسکے گا۔ مختلف مقامات پر اشیاء کے احکام بدل جاتے ہیں۔ قطرۂ نجاست تھوڑے پانی کو نجس بنا سکا زیادہ کو نہیں۔ آگ نے نمرود

اُو نشیند در حضورِ اولیاء اُسے چاہیئے کہ وہ اولیاء کے حضور بیٹھے	ہر کہ خواہد ہمنشینی با خُدا جو کوئی یہ چاہے کہ وہ خُدا کے پاس بیٹھے

کو نقصان پہنچایا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نہیں۔

رُوح اور نفس کے اعتبار سے احکام میں فرق ہے کیونکہ رُوح، مشاہدۂ حق میں لگی ہو تو قابلِ گرفت نہیں، نفس کے لیے دلیل کی ضرورت پڑے گی۔ اسی طرح راہرو کے لیے دلیل چاہیے لیکن جو منزلِ مقصود پر پہنچ گئے وہ ان چیزوں سے بے نیاز ہو گئے۔ باپ صاف بول سکتا ہے لیکن بچے کے لیے تُتلا کر بولتا ہے۔ بڑا عالم بچے کو پڑھاتے وقت الف خالی با کے نیچے ایک نقطہ کہتا ہے تو اپنے لیے نہیں بلکہ مبتدی کے لیے بولتا ہے ورنہ وہ اُس مقام سے بلند ہے۔ عارف اگر اِستدلال سے کام لیتے ہیں تو اپنے لیے نہیں بلکہ دوسروں کو سمجھانے کے لیے۔ اسی طرح شیخ کو بھی مریدوں کی اِستعداد کے مطابق تعلیم دینی چاہیے تاکہ وہ سمجھ سکیں۔ اُس نے اِعتراض کرنے والے سے کہا کہ شیخ کی مثال تیز تلوار کی ہے اُس سے بھڑا کر اپنے آپ کو ہلاک نہ کر کیونکہ وہ اخلاقِ خداوندی کے ساتھ متصف ہے اور اسی طرح لامحدود ہے۔ شیخ لامحدود دریا ہے تو محدود کفر اُس کے اِعتبار سے غیر موجود ہے۔

خدا کے سوا سب کچھ فانی ہے۔ فنا کے بعد جب ذاتِ باری سے وحدت ہو گئی تو پھر کفر و ایمان اُن کی صفت نہیں بن سکتے۔ فانی چیزیں جو شیخ کے ساتھ ہیں وہ اُس کی حقیقتِ غیر فانی کے لیے پردہ ہیں۔ اس لیے عوام اُسے نہیں دیکھ سکتے۔ اُس کا جسمانی سَر حقیقی سِر کو چھپائے ہوئے ہے۔ اُن دونوں میں اِس قدر فرق ہے جتنا کفر و ایمان میں۔ اسی لیے ظاہر ہی پر تکفیر اور لعن طعن ہوتے رہتے ہیں۔ کافر اور مردہ تو درحقیقت وہ ہے جو شیخ کا منکر ہے اور اُس کے اَوصاف سے جاہل ہے۔ کیونکہ اگر کوئی شیخ کے اَوصاف سے جاہل ہے تو مردہ ہے۔ انسان کی جان حیوان کی جان سے زیادہ قوی ہے چونکہ اُس کا علم بڑھا ہوا ہے۔ جو اِدراک اور حواس انسان اور حیوان میں مشترک ہیں، فرشتہ اُن سے بالاتر ہے۔ لہٰذا کثرتِ معلومات کی بنا پر وہ انسان سے افضل ہے۔ اگرچہ دوسرے اعتبارات سے انسان افضل ہے۔ اہل اللہ کی جان فرشتوں سے زیادہ قوی ہوتی ہے اِس لیے حضرت آدم علیہ السلام مسجودِ ملائکہ ہوئے۔ جب اہل اللہ کی جان سب جانوں سے قوی ہے تو دیگر جانداروں کی جانیں اُس کے حکم کے تابع ہیں۔ اسی لیے مچھلیوں نے ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ علیہ کا حکم مانا اور سوئیاں لے کر حاضر ہو گئیں۔

حضرت ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ کا بقیہ قصّہ

جب اُس امیر نے مچھلیوں کو حضرت ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ علیہ کے تابع فرمان دیکھا تو اُس پر وجد طاری ہو گیا۔ اُس نے اپنی لاعلمی پر افسوس کیا کیونکہ پہلے اُس کے دل میں وسوسہ آ گیا تھا کہ شاہی چھوڑ کر فقر اختیار کر لینے پر تعجب تھا۔ اُس پر اَسرار کا دروازہ

از حضورِ اولیا گر بگسلی | تو ہلاکی زانکہ جزوی نے کُلی
اگر تُو اولیا کی صحبت سے دُور رہا | تو تُو برباد ہے کیونکہ تو جزو ہے نہ کہ کُل

کھل گیا اور وہ اُن کے عشق میں دیوانہ ہو گیا۔

اگر کوئی مرید فیض حاصل نہ کر سکے تو اس میں شیخ کو کوئی نقصان نہیں ہوتا۔ شیخ ازلی دریا ہوتا ہے، کوئی پیا سا رہے تو اُس میں کوئی کمی نہیں آتی۔ بد ایک آگ کی صورت اور شیخ آبِ کوثر ہے۔ آگ کو پانی ختم کر دیتا ہے، آگ پانی کو نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ شیخ میں عیب تلاش کرنے والا بہشت میں کانٹا تلاش کرتا ہے حالانکہ کانٹا تو وہ خود ہے۔ شیخ میں عیب تلاش کرنے والا خود عیب دار ہوتا ہے۔ جس ہُنر کو شیخ ہُنر نہ سمجھیں وہ ہُنر نہیں ہے اور جس یقین کو شیخ یقین نہ سمجھے وہ یقین نہیں ہے۔ پیر قبلہ کی مانند ہوتا ہے اُس کی طرف دُور سے بھی رُخ کرنے سے فیض حاصل ہو جاتا ہے۔ گدھا دلدل میں پھنسا ہو تو نکلنے کی تگ و دو کرتا ہے۔ یہ دُنیا بھی دلدل ہے اِس سے بھی نکلنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اگر کوئی بداعمالی سے نکلنے کی کوشش نہ کرے تو گدھے سے بدتر ہے۔

ایک شخص کا دعویٰ کرنا کہ خُدا گُناہ کی وجہ سے میری گرفت نہیں کرتا اور حضرت شعیب علیہ السلام کا اُس کو جواب

ایک شخص یہ کہتا تھا کہ خدا نے میرے بہت سے عیب دیکھے ہیں لیکن اپنے کرم کی وجہ سے مجھے نہیں پکڑتا۔ خدا نے حضرت شعیب علیہ السلام کو وحی کی کہ یہ واقعہ کے خلاف کہتا ہے۔ تُو گرفتار ہے اور کہتا ہے: خدا میری گرفت نہیں کرتا۔ مسلسل گناہ کرنے والے کو اپنے گناہ کے اثر کا اور اُس پر اللہ کی گرفت کا احساس نہیں رہتا۔ نئی دیگ پر دھوئیں کا اثر نمایاں ہوتا ہے لیکن جہاں تہ بہ تہ دُھواں جم چکا ہو وہاں اُس کا اثر نظر نہیں آتا۔ جب کسی کو اپنے گناہ کا احساس ہی نہیں ہوگا تو وہ یا اللہ یا اللہ کہہ کر کہاں روئے گا۔ اب اُس کو اپنا گناہ، گناہ ہی نہیں لگتا۔ جب انسان کو گناہ کے بارے میں احساس ہی نہیں رہتا تو وہ توبہ بھی نہیں کرتا۔ دل کے لوہے کو گناہوں کا زنگ کھانے لگتا ہے۔ تو جب تک گناہ کا احساس اُسے آہ وزاری کی طرف نہیں لے جائے گا وہ مردہ دل رہے گا۔ انسان کو چاہیے کہ اپنی مایوسیوں کو دربارِ خداوندی میں پیش کر کے اِصلاحِ اَحوال کی دُعا کرے۔

حضرت شعیب علیہ السلام کی وحی اُس نے سُنی تو اُس کے دل میں روشنی پیدا ہوئی۔ گناہ پر گرفت کی پہلی نشانی یہ ہے کہ ہر طرح کی عبادت کرنے کے باوجود انسان ذوق اور لُطفِ عبادت سے محروم رہتا ہے۔ اصل چیز ظاہری عبادت کا مغز اور رُوح یعنی ذوق ہے ورنہ وہ عبادت بے مغز کا اخروٹ ہے۔ بغیر ذوقِ عبادت کے اُس کی عبادت میں شجر و ثمر پیدا نہیں ہوں گے۔

سایۂ شاہاں طلب ہر دم شتاب | تا شوی زاں سایہ بہتر ز آفتاب
دین کے شاہوں کا سایہ طلب کر | تاکہ تُو اُس سایہ کی وجہ سے سُورج سے بڑھ جائے

اُس بیگانے انسان کا شیخ پر طعنہ زنی اور اُس کو مُرید کے جواب دینے کا بقیہ قصّہ

وہ خبیث، شیخ کے بارے میں بکواس کر رہا تھا (کیونکہ بھینگے کو ہمیشہ ٹیڑھا نظر آتا ہے) کہ وہ شرابی ہے، میں نے خود دیکھا ہے۔ ورنہ آج رات کو میرے ساتھ چل اور آنکھوں سے دیکھ لے، اُس مجلس کے ایک روشن دان کے ساتھ جہاں شیخ شراب کی مجلس میں تھا۔ وہ دن میں مکاری سے بزرگ بنا رہتا ہے اور رات کو فسق و فجور کرتا ہے۔ اُس نے شیخ کے ہاتھ میں بھرا ہوا جام دیکھا تو پوچھا: اے شیخ! آپ تو فرماتے تھے کہ شراب کے جام میں شیطان پیشاب کر دیتا ہے۔ شیخ نے کہا: اللہ نے میرے جام کو پُر کر دیا ہے۔ اِس میں شیطان کے پیشاب کے قطرے کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ شیخ کے جام سے مراد شیخ کا اپنا جسم ہے۔ پورا جسم نورِ حق سے پُر ہے۔ شیطان کے اثرات کی گنجائش ہی نہیں۔

سورج کا نور اگر کوڑی پر پڑے تو وہ (سورج) نجس نہیں ہوگا۔ شیخ نے مرید کی بدگمانی دُور کرنے کے لیے اُسے جام دکھایا۔ وہ شہد سے پُر تھا۔ پھر فرمایا جاؤ میرے لیے شراب لاؤ کیونکہ میری بھوک کی تکلیف بڑھ گئی ہے۔ میں مُضطر کے حکم میں ہوں جس کے لیے جان بچانے کے لیے حرام کھانا جائز ہے۔ وہ شراب خانے میں گیا ہر مٹکے میں شراب کی جگہ شہد بھرا ہوا تھا۔ مرید نے شرابیوں سے دریافت کیا کہ کیا معاملہ ہے کسی مٹکے میں شراب نہیں ہے۔ شیخ کی اِس کرامت سے شرابی بے حد متاثر ہوئے۔ بولے: آپ نے شراب کو ناپاکی سے تبدیل کر دیا' ہماری جان کو بھی ناپاکی سے تبدیل کر دیجیے۔ اگر سارا عالم خون ہو جائے تو بھی اللہ کا بندہ حلال کے سوا کچھ نہیں کھاتا۔

اُمّ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بے مُصلّے کے جہاں جائیں نماز پڑھ لیتے ہیں

ایک دن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ مجمع یا تنہائی میں جہاں موقع ملتا ہے نماز پڑھ لیتے ہیں اور ادنیٰ و ناپاک جگہ میں چلے جاتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ساری زمین میرے لیے سجدہ گاہ بنا دی گئی ہے اور جگہ پاک کر دی گئی ہے میں ہر جگہ نماز ادا کر سکتا ہوں۔ دیگر اُمتوں کو حکم تھا کہ صرف عبادت گاہوں میں ہی عبادت کریں۔ پانی نہ ہو تو میرے لیے زمین سے تیمم کر لینا بہتر پاکی ہے۔

اگر خدا کا کوئی بندہ زہر بھی کھا لے تو اللہ اُس کی تاثیر ہی بدل دیتا ہے اور گناہ گار کا نماز روزہ بھی مقبول نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق پر اپنا پَر تو ڈال دیتا ہے، ورنہ ابابیل پرندہ، ہاتھیوں کو کیسے کچل دیتا؟ بڑوں سے ہمسری کا دعویٰ کرنا اور

رو بجنب اندر پناہِ مُقبلے
کسی با اقبال کی پناہ میں جا پڑ

تُو کہ آزادت کند صاحبدلے
شاید کوئی صاحبِ دل تجھے آزادی دلا دے

جھگڑنا ہلاکت کا باعث بن جاتا ہے۔ چوہے کی اونٹ سے کوئی مناسبت نہیں۔ انسان میں صلاحیت نہ ہو تو پیدا کرنے کی کوشش کرو۔ اگر کشتی بانی کی صلاحیت نہیں ہے تو کشتی کنارے کنارے لے جانی چاہیے۔ پہلے تجارت کا فن سیکھ پھر دُکان کر۔ آزادانہ زندگی بسر کرنے کی ہمت نہ ہو تو غلام بن کر رہنا چاہیے۔ جب تک کمال حاصل نہ ہو کسی شیخ کے تابع رہو۔

انسان بزرگوں سے ہمسری تکبر کی وجہ سے کرتا ہے اور اِس قسم کی بُرائیاں نفس کے تقاضے سے پیدا ہوتی ہیں۔ جب انسان بُرائیوں کو بار بار کرتا ہے تو نفس کی اس خواہش میں جماؤ پیدا ہو جاتا ہے اور اگر کوئی بُرائی سے روکے تو اُس پر غصہ آتا ہے۔ شیطان کو سرداری کی عادت پڑ گئی تھی اِس لیے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کیا۔ حُبِّ جاہ، نفس کا بہت بڑا رذیلہ ہے۔ اولیاء اللہ رحمہم اللہ کے پاس تریاق ہے لہٰذا جاہ و مرتبہ اور عزت کی خواہش کا سانپ اُن پر اثر نہیں کرتا۔ جب کوئی کسی کی عادت کے خلاف اُس کو نصیحت کرتا ہے تو وہ سمجھتا ہے کہ نصیحت کرنے والا اپنی بڑائی جتاتا ہے۔ اگر انسان میں وہ بُرائی نہیں ہوتی تو نصیحت سے اُس کو ناگواری نہیں ہوتی۔ غصہ آنے کی وجہ یہی ہے کہ دراصل تیری بُری عادت مستحکم ہو گئی ہے۔ اِس لیے اپنی غلط نفسانی خواہشات کو اِبتدا ہی میں دبا دینا چاہیے ورنہ وہ خطرناک صورت اِختیار کر جاتی ہیں۔ عیب دار ہمیشہ اپنے عیب کو معمولی سمجھتا ہے۔ جب اُس کا کوئی رذیلہ زائل ہوتا ہے تو تب وہ سمجھتا ہے کہ یہ رذیلہ کس قدر خطرناک ہے۔ جو شیخ تیری حقیقت بدل دے وہ اکسیر ہے۔ صاحبِ دل لوگ ہمیشہ دنیاوی عزتوں سے گریزاں اور متنفر ہوتے ہیں۔ اگر تُو اولیاء اللہ رحمہم اللہ پر تہمت دھرے گا تو حقیر ترین بن جائے گا اور شیطان کا تابع ہو جائے گا۔

اُس دَرویش کی کرامت جس پر کشتی میں چوری کرنے کی تہمت لگائی گئی

ایک کشتی میں ایک درویش سوار تھا۔ وہ ایک کامل مرد تھا۔ کشتی میں سے کسی کی اشرفیوں سے بھری تھیلی گم ہو گئی۔ سب لوگوں کی تلاشی لی گئی۔ درویش سویا ہوا تھا اُنہوں نے کہا: اِس کو بھی جگا کر اِس کی تلاشی لو۔ اُنہوں نے درویش سے کہا کہ تُو اپنی گدڑی اُتار کر ننگا ہو جا تا کہ شک رفع ہو جائے۔ درویش نے خدا سے التجا کی کہ ان کمینوں نے تیرے غلام پر اتہام لگایا ہے۔ اُس نے دُعا کی۔

يَا غِيَاثِیْ عِنْدَ كُلِّ كُرْبَةٍ　　يَا مُعَاذِیْ عِنْدَ كُلِّ شِدَّةٍ

يَا مُجِيْبِیْ عِنْدَ كُلِّ دَعْوَةٍ　　يَا مَلَاذِیْ عِنْدَ كُلِّ مِحْنَةٍ

اے ہر مصیبت میں میرے فریاد رس! اے ہر مصیبت میں میری پناہ! اے ہر ہر پکارنے والے کا جواب دینے والے! اے ہر مشقت میں میرے ملجا!

صفع شاہاں خور مخور شہد خساں　　تا کے گردی ز اقبال کساں

شاہوں کا تھپڑ کھالے مگر کمینوں کا شہد مت کھا　　تا کہ تو صاحبِ دل لوگوں کی توجہ سے انسان بن جائے

فقیر کے دل سے آہ نکلی تو دریا میں چاروں طرف سے مچھلیاں نمودار ہوئیں۔ ہر مچھلی کے منہ میں ایک قیمتی موتی تھا۔ چونکہ وہ موتی اللہ کی جانب سے تھے اس لیے بے مثل تھے۔ درویش نے چند موتی لے کر کشتی میں پھینک دیئے اور خود شاہوں کی طرح ہوا میں چوکڑی لگا کر بیٹھ گیا۔ ہوا میں سے کہنے لگا کہ میں تمہارے ساتھ کشتی میں نہیں بیٹھوں گا تا کہ تم مجھ، چور فقیر کے ساتھ نہ رہو۔ میں اپنے خدا کے ساتھ رہتا ہوں۔ میرا خدا نہ تو مجھ پر تہمت دھرتا ہے اور نہ مجھے رُسوا کرتا ہے۔

ایسا مقام، پاک نفس فقیروں کو ملتا ہے، جن کی تعظیم میں "سُوْرَۃُ عَبَسَ" نازل ہوئی، جب کہ آنحضور ﷺ نے ایسے ہی کسی فقیر سے ذرا بے التفاتی کا معاملہ کیا تھا۔ اللہ والوں کی فقیری صرف تعلق مع اللہ کے لیے ہوتی ہے نہ کہ لوگوں کو پھنسانے کے لیے۔

صُوفیوں کا شیخ کے سامنے ایک صُوفی کو طعنہ دینا کہ بہت بولتا اور کھاتا ہے

مجھ پر بسیار گوئی کا اِلزام مت لگاؤ۔ میں تو سو نصیحتوں میں سے ایک نصیحت کی بات کرتا ہوں۔ اس حکایت میں بھی یہی بتایا گیا ہے۔ چند صوفیوں نے اپنے شیخ کے سامنے اپنے ایک ساتھی کی شکایت کی کہ اِس میں تین بُری عادتیں ہیں (1) زیادہ باتیں کرتا ہے۔ (2) زیادہ کھاتا ہے۔ (3) زیادہ سوتا ہے۔ شیخ نے فقیر سے کہا تم نے وہ حدیث نہیں سنی خَیْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَطُھَا "ہر کام میں میانہ روی رکھو"۔ جیسا کام ساتھی کرتا ہے تُو بھی ویسا ہی کر، ورنہ اختلاف پیدا ہو جائے گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی گفتگو اپنے لحاظ سے تو مناسب تھی لیکن حضرت خضر علیہ السلام کے لحاظ سے زیادہ تھی۔ اِس لیے اُن میں علیحدگی ہو گئی۔ اُنہوں نے کہا تھا: "سوال نہ کرنا اور اعتراض نہ کرنا۔ اب میری مرضی کے بغیر میرے ساتھ رہو گے تو بھی باطنی طور پر الگ ہی رہو گے"۔ اگر نماز میں کوئی ناپاک ہو جائے اور پھر بھی رکوع اور سجدے کرتا رہے تو وہ اُٹھک بیٹھک ہوگی، نماز نہ ہوگی۔ اگر تُو بسیار گو ہے تو بسیار گو لوگوں کے ساتھ رہ تا کہ تیرا بولنا زیادہ نہ گِنا جائے۔ اہلِ اللہ سے اگر اِستفادہ نہ ہو سکے تو حاضری کا کوئی فائدہ نہیں۔ کپڑے پہننے والے اور دھوبی کا جوڑ ہے، ننگے اور دھوبی کا کوئی جوڑ نہیں۔ یا تم بھی علائقِ دنیوی ختم کر کے اہلُ اللہ کی صحبت اِختیار کرو، ورنہ اُن سے علیحدگی اختیار کرلو۔

شیخ سے فقیر کا عُذر

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سوالات کے جوابات اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر علیہ السلام کی زبان سے دلائے اور اُن جوابات سے حضرت موسیٰ علیہ السلام مطمئن ہو گئے۔ اُس

زانکہ زایشاں دولت و خلعت رسد
صاحبِ دل لوگوں کی صحبت سے اللہ کا قُرب حاصل ہوتا ہے

دَر پناہِ رُوحِ جاں گردد جَسد
اور اُن کی رُوح کی پناہ میں جسم بھی رُوح بن جاتا ہے

درویش کے پاس بھی حضرت خضر علیہ السلام کی ہی میراث تھی۔ درویش نے کہا: بے شک درمیانی راہ دانائی کی بات ہے لیکن کسی چیز کا درمیانی ہونا نسبتی بات ہے۔ ہر چیز کسی دوسری چیز کے اعتبار سے درمیانی ہے۔ کسی اعتبار سے کم ہوگی کسی اعتبار سے زیادہ ہوگی۔ نہر کا پانی اونٹ کے لحاظ سے کم اور چوہے کے لحاظ سے زیادہ ہوگا۔ ایک شخص دس رکعتیں پڑھ کر تھک جاتا ہے تو وہ اُس کے لحاظ سے زیادہ ہیں۔ ایک شخص پانچ سو رکعتیں پڑھ کر بھی نہیں تھکتا تو اُس کے اعتبار سے پانچ سو رکعتیں کم ہوں گی۔

ایک پاکباز کے لیے جان دینا آسان ہے لیکن بخیل کی ایک روٹی دیتے ہوئے جان نکلتی ہے۔ میری خوراک اِن کے اعتبار سے زیادہ ہے لیکن میرے اپنے اعتبار سے اوسط ہے۔ وسط تو اُس چیز کا معلوم کیا جاسکتا ہے جس کی ابتداء ہو اور انتہا ہو لیکن لامحدود کا وسط متعین نہیں ہوسکتا۔ رہی سونے کی بات تو میں سوتا ضرور ہوں لیکن سونے میں بھی دل یادِ خدا میں ہوتا ہے جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میری دونوں آنکھیں سوتی ہیں لیکن میرا دل نہیں سوتا''۔ حواسِ ظاہر کا تعلق تو اِسی دُنیا سے ہے لیکن دل کے حواس کا تعلق عالمِ آخرت سے ہے۔ جس کا دل یاد میں لگا ہو وہ اِس دُنیا میں بھی جنت کے باغوں میں ہے۔ میں دُنیا میں رہتے ہوئے عالمِ بالا کی سَیر کرتا ہوں۔ میرا جسمِ ناسُوتی اِن لوگوں کے ساتھ ہے لیکن دل (رُوح) فکر و اندیشہ سے پاک ہے۔ عام لوگ اپنے خیالات کے تابع ہوتے ہیں اِس لیے غم و فکر میں مبتلا رہتے ہیں۔ اولیاء رحمۃ اللہ علیہم کثرتِ ذکر سے اپنے آپ پر اِستغراق طاری رکھتے ہیں اور فکروں سے آزاد رہتے ہیں۔ وہ دُنیا میں اپنے مقام سے نزول اختیار کرکے عوام میں شامل ہوتے ہیں تاکہ وہ (عوام) اُن سے فائدے حاصل کریں۔ اَسرار کی باتیں اُن لوگوں کے نزدیک محض دعویٰ ہیں' جو اِس ذوق سے واقف نہیں۔ اصحابِ ذوق کے لیے یہ باتیں حقیقت ہوتی ہیں۔ ویسے راہِ سلوک میں چلنے والوں کو کم کھانا، کم بولنا اور کم سونا چاہیے۔

اِس دعوے کی سچائی کے بیان میں جو صاحبِ حال کے نزدیک حق اور بیگانوں کے لیے دُوری ہے

اگر تُو میرا دوست ہے اور میری جان کا واقف ہے تو اگر میں آدھی رات کو کہوں کہ میں تیرے سامنے ہوں تو یہ دونوں دعوے تیرے لیے حق ہوں گے کیونکہ تُو میری آواز کو پہچانتا ہوگا اور اپنا ہوگا۔ سامنے ہونا اور اپنا ہونا دو دعوے ہیں۔ اپنوں کی آواز کو ہر کوئی پہچانتا ہے۔ عقلِ سلیم اِن دونوں دعووں کو سمجھے گی اور ثبوت کی طالب نہ ہوگی۔ جو اللہ کی طرف سے اِلہام سے محروم ہیں وہ اپنے اور بیگانے کی آواز میں امتیاز نہیں کرسکتے۔ اُن کے سامنے کسی بزرگ کا کچھ کہنا بے کار ہوگا۔ وہ اپنی نادانی کی وجہ

یار چوں با یارِ خود بنشستہ شُد
مُرید جب شیخ کے سامنے بیٹھتا ہے تو شیخ کے

صد ہزاراں لوحِ دل دانستہ شُد
قلب کے اَسرار جاننے میں اُسکے دل پر منکشف ہوجاتے ہیں

سے فوراً انکار کردیں گے۔ جو لوگ عقل مند ہیں اور اُن کو حق سے مناسبت ہے وہ فوراً بزرگوں کی باتوں پر یقین لے آتے ہیں اور کسی دلیل کے بھی طالب نہیں ہوتے۔

حکمت و دانائی کو مومن کی گم شدہ میراث کہا گیا ہے۔ اپنی چیز گم کرنے والا جب گم شدہ چیز کو دیکھتا ہے تو فوراً پہچان لیتا ہے۔ اُس کو کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس کی مثال یوں ہے کہ اگر پیاسے سے کہا جائے کہ جلدی آ! پیالے میں پانی ہے، لے لے تو فوراً دوڑ پڑے گا۔ اگر ماں اپنے دودھ پیتے بچے کو کہتی ہے کہ دودھ پی لے تو بچہ فوراً اُس کا دعویٰ مان لیتا ہے۔ جن لوگوں کے دلوں میں ذوقِ حق ہوتا ہے نبی ﷺ کا چہرہ اور اُن ﷺ کی آواز ہی اُن کے لیے معجزہ ہوتی ہے، وہ کسی معجزے کے طالب نہیں ہوتے۔ نبی کی دعوت پر فوراً سرِ تسلیم خم کردیتے ہیں۔ اسی طرح قرآن میں ہے کہ "جب ہمارے بندے تم سے ہمارے بارے میں پوچھتے ہیں تو کہہ دو کہ میں اُن کے بالکل قریب ہی ہوں"۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ماں کے پیٹ میں ایک دوسرے کو سجدہ کرنا

حضرت یحییٰ علیہ السلام کی والدہ جب اُن سے حاملہ تھیں تو حضرت مریم علیہا السلام کے روبرو بیٹھی تھیں۔ حضرت یحییٰ کی والدہ نے حضرت مریم علیہا السلام سے آہستہ سے کہا: مجھے یقین ہے کہ آپ کے پیٹ میں بادشاہ ہے اور باخبر رسول ہے کیونکہ میرے پیٹ کے بچے نے آپ کے حمل کو سجدہ کیا ہے تو میرے بدن میں درد ہوا ہے۔ حضرت مریم علیہا السلام بولیں میں نے بھی اپنے پیٹ میں اُس کے سجدے کو دیکھا ہے۔ بے وقوف لوگ کہتے ہیں کہ جھوٹ اور غلط ہے کیونکہ حضرت مریم علیہا السلام اپنے حمل کے دوران کسی کے ساتھ نہ رہیں، شہر سے باہر رہیں اور جب تک فارغ نہ ہوئیں اندر نہ آئیں، باہر ہی جن کر اُن علیہ السلام کو خاندان میں لائیں۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی والدہ نے اُن کو کہاں دیکھا کہ یہ بات ہوئی لیکن اس بات کو صرف وہ سمجھتا ہے جو صاحبِ دل ہے۔ جن لوگوں نے مجاہدات کے ذریعہ اپنے بدن کو چھلنی بنا دیا ہو وہ آنکھیں بند کرکے دُور کی چیزیں دیکھ لیتے ہیں۔ اُنہوں نے اگر ظاہری طور پر نہیں دیکھا ہے تو نتیجہ اخذ کرو کہ اللہ کے نیک بندوں کی تعظیم کرو۔

افسانے سُن کر تم خود اُن سے کوئی صحیح نتیجہ نکال لیتے ہو۔ بلبل اور گُل کا قصہ سُن کہ کیسے آپس میں گفتگو کرتے ہیں۔ لفظوں کی مثال پیمانہ کی سی ہے اور معنیٰ کی مثال غلے کی سی ہے۔ مقصود غلہ ہے نہ کہ پیمانہ، یہ دیکھ کہ پروانے کا شمع سے کیا باطنی تعلق ہے اور اس سے نتیجہ حاصل کرلے۔ ٹیڑھی باتیں ٹیڑھوں کو سیدھی نظر آتی ہیں۔ اگر تُو بھینگے کو کہے کہ چاند ایک ہے تو وہ اِس بات کو جھوٹ سمجھے گا۔ اگر تُو کہے گا کہ دو ہیں تو سچ جان لے گا۔ اے بیٹا! جو جھوٹ کا ہم جنس ہے سچ اُس کے

لوحِ محفوظ ست پیشانیِ یار　　رازِ کونینش نماید آشکار
یار کی پیشانی لوحِ محفوظ کی طرح ہوتی ہے　　اُس سے دونوں جہانوں کے راز معلوم ہو جاتے ہیں

لیے معتبر نہیں ہوتا۔

اُس درخت کی تلاش کہ جو بھی اُس کا میوہ کھائے کبھی نہ مرے

ایک عقل مند نے کہا کہ ہندوستان میں ایک ایسا درخت ہوتا ہے کہ جو اُس کا میوہ کھالے وہ کبھی بوڑھا نہیں ہوتا اور نہ مرتا ہے۔ وہاں کے بادشاہ نے اِس بیان کے لفظوں کی طرف توجہ کی اور یہ سمجھا کہ شاید واقعی کوئی ایسا درخت ہے جس سے مستقل زندگی حاصل ہو جاتی ہے اور اُس کی تلاش میں ایک صاحب کو روانہ کر دیا۔ وہ شخص سالوں گھومتا رہا۔ لوگ اُس کا مذاق اُڑاتے تھے اور مختلف جھوٹے نشان اُس درخت کے بتا دیتے تھے۔ آخر کار وہ ڈھونڈتے ڈھونڈتے عاجز آ گیا۔ اُس نے بادشاہ کی طرف واپسی کا ارادہ کیا۔ وہ چلتا جاتا تھا اور آنسو بہاتا جاتا تھا۔

شیخ کا اُس درخت کے راز کی تشریح کرنا

ایک عالم، شیخ جو عارف تھا وہ شخص اُن کے پاس پہنچ گیا۔ کہنے لگا: اے شیخ! میں ایک مایوس آدمی ہوں اور آپ کی مہربانی کا طلب گار ہوں۔ بزرگ نے پوچھا: کیوں پریشان ہو؟ تو اُس نے سارے حالات عرض کر دیے۔ شیخ ہنسا اور کہا کہ اے بھولے! یہ علم کا درخت ہے جو عالی شان ہے اور علمِ باری اُس کا سرچشمہ ہے اور وہ آبِ حیات ہے۔ تُو نے درخت کے ظاہری معنی مراد لیے ہیں اسی لیے تو معنی سے محروم ہے۔ چونکہ لوگ علم کے ثمرات سے فائدہ اُٹھاتے ہیں اِس لیے اِسے درخت کہا گیا ہے۔ شیخ نے فرمایا لفظ "درخت" کو نہ چٹ اِس کے ثمرات پر دھیان دے۔ معانی کے مقابلے میں اَسماء کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ اَسماء کے معانی سے دل لگا۔ اُن سے تُو ذات تک پہنچ جائے گا۔ جو کہ صفات کی حقیقت ہے۔ لوگ اَسماء کے پابند ہو کر اسی اختلاف اَسماء میں سرگرداں ہیں اور اِن کی حقیقت تک رسائی نہیں ہے۔ لفظوں کے پابند لوگ محض لفظی اختلاف کی وجہ سے باہمی اختلاف میں پھنسے رہتے ہیں۔ اگر حقیقت کو سمجھ لیں تو وحدت ہی وحدت پیدا ہو جائے۔

انگور کے معاملے میں چار آدمیوں کا جھگڑنا کیونکہ وہ ایک دُوسرے کی زبان نہیں سمجھتے تھے

ایک شخص نے چار آدمیوں کو ایک درہم دیا کہ انگور لے کر کھالیں۔ اُن میں ایک ایرانی، ایک تُرکی، ایک رُومی اور ایک عربی تھا۔ اُن کی زبانیں مختلف تھیں۔ ایرانی نے کہا: ہم نے انگور لینے ہیں، عرب بولا: نہیں عنب لینے ہیں، تُرکی نے کہا: نہیں اوزم لینے ہیں، رومی بولا: نہیں استافیل لینے

ہیں۔ وہ آپس میں جھگڑنے لگے۔ ایک بزرگ جو سب کی زبانیں جانتا تھا بولا: لاؤ درہم مجھے دو میں تمہاری سب تمنا پوری کر دیتا ہوں۔ اگر تم بغیر کھوٹ کے اپنے دل کو میرے سپرد کر دو تو جھگڑا ختم ہو جائے گا اور تم میں اتفاق پیدا ہو جائے گا۔

اُن چاروں کا اتحاد عارضی تھا جو نا سمجھی سے ختم ہو گیا۔ اسی طرح عارضی گرمی سردی کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔ سرکہ سرد ہے، آگ پر گرم کرنے سے گرم ہو جائے گا لیکن تاثیر تو سرد ہی رہے گی۔ انگور کے شیرے کی تاثیر گرم ہے عارضی ٹھنڈک اُس کی تاثیر کو ٹھنڈا تو نہیں کرے گی۔ شیخ کی ریا کاری بھی اصولِ شریعت کے مطابق ہوتی ہے اور حقیقت ہوتی ہے اور عوام کا اخلاص بھی چونکہ حقیقت سے دُور ہے اس لیے مؤثر نہیں۔ شیخ حقیقت سے واقف ہوتا ہے اُس کی بات موجبِ اتحاد ہوتی ہے۔ وہ مریدوں کو ایک لڑی میں پرو دیتا ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام حقیقت سے باخبر تھے تو سب جانوروں میں اتحاد کا باعث بن گئے۔ چیتے اور ہرن اُن کے ساتھ مُتّحِد ہو گئے۔ تُو چیونٹی کی طرح دانے کے لیے نہ دوڑ سلیمان علیہ السلام کی جستجو کر۔ سلیمان علیہ السلام (شیخ) کو تلاش کرے گا تو دونوں جہان کی دولت مل جائے گی۔ ہر دَور میں کوئی نہ کوئی حقیقی ڈرانے والا ضرور موجود ہوتا ہے اُسے تلاش کرو تا کہ وہ تمہارے اختلاف دُور کر دے۔

رسول اکرم ﷺ کی وجہ سے مسلمان ایک جان بن گئے اور حضور ﷺ کی صحبت کے طفیل ماں کی طرح ایک دوسرے پر شفیق بن گئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ سب مسلمان ایک جان کی طرح ہیں ورنہ اوس اور خزرج ایک دوسرے کے جانی دشمن تھے۔ سب جھگڑے "مَن و تو" کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں، کوشش کر خالص وحدت ہو جائے۔ انگوروں میں باہمی یکسانیت تو ہوتی ہے لیکن تشخص ہر ایک کا الگ الگ ہوتا ہے لیکن انگور کے شیرے کی طرح مختلف تشخص رکھنے والے لوگ یکجان ہو گئے۔ کچا انگور اور پکا انگور یکجان ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتے اُن میں یکسانیت نہیں ہوتی۔ جو لوگ کچے رہے اور یگانگت پیدا نہ کر سکے جیسے کہ ابو جہل اور عبداللہ بن ابی وغیرہ۔ یہ نہ بھائی بنے اور نہ مسلمانوں سے مُتّحِد ہوئے۔ جو لوگ ازلی طور پر کافر ہوتے ہیں اُن کے متعلق اظہار بھی مناسب نہیں ہے۔ یہ چُھپا رہنا ہی بہتر ہے کہ کون کافرِ ازلی ہے اور کون مومنِ ازلی۔۔ کور باطن، کافر کے باطن کے احوال بھی مسلمانوں کو سُنانا بہتر نہیں۔ وہ دُھواں ہیں اور مسلمان باغِ ارم، دھوئیں کا باغ سے دُور رہنا بہتر ہے۔ وہ لوگ جن میں فطری صلاحیت ہوتی ہے اہلِ دل کی صحبت میں یکجان ہو جاتے ہیں اور بہت جلد اُن میں یکسانیت پیدا ہو جاتی ہے جس سے مومنین میں وحدتِ تامّہ ہو جاتی ہے۔

نجم اندر ریگ و دریا رہنما ست
ستارہ صحرا میں اور سمندر میں راہ دکھاتا ہے

چشم اندر نجم نہ کو مقتدا ست
اس لیے اُس پر اپنی نظر جمائے رکھ تا کہ ہدایت پا جائے

جب تک "مَن و تو" ہے، تو باہمی اختلاف کا امکان رہتا ہے لیکن وحدت کے بعد نزاع کا امکان باقی نہیں رہتا، اِس لیے کہ کوئی اپنے آپ سے دشمنی نہیں کر سکتا۔

عشق، مُتّحِد الوجود بنا دینے میں کامل اُستاد ہے۔ عشق ذرّوں کو ایسے جوڑ دیتا ہے جیسے کمہار مختلف اجزاء کو جوڑ کر گھڑا بنا دیتا ہے۔ یہ مثال موزوں نہیں ہے، جانوں کا اتحاد تو اِس سے بہت بڑھا ہوا ہوتا ہے۔ مومنین کی رُوحوں کے اتحاد کی مثالیں سناؤں تو تھک جاؤ گے۔ ہم دنیاوی اُلجھاؤ اور گتھیوں کے سلجھانے کے عاشق بن گئے ہیں۔ اِس سلسلے میں ہم اُس پرندے کی طرح ہیں، جو جال کی گرہ کھولنے اور باندھنے میں مہارت پیدا کر رہا ہو۔ ایسا کرنے والا پرندہ یقیناً چمن کی سیر سے محروم رہے گا اور پوری عمر اسی کام میں صرف کر دے گا۔ دُنیا کے دھندوں کو سلجھانے والا اپنے آپ کو تباہ کر لے گا لیکن دُنیا اُس کے قابو میں نہیں آئے گی۔ بڑے بڑے دنیاداروں کے ساتھ دُنیا نے غداری کی ہے۔

اُن چاروں مردوں کی لڑائی معاملہ کو حل نہ کر سکی لیکن غیب سے ایک مرد آیا اور اُس نے کام کر دکھایا۔ مسلمانوں کے لیے حکم ہے کہ جہاں کہیں ہوں نماز کے وقت قبلہ رُخ ہو جائیں۔ لیکن اِس کے ساتھ ہی ہر ایک کو متوجہ **اِلَی الْحَقّ** ہو جانا چاہیے۔ یہی چیز اتحاد پیدا کر دے گی۔ بزرگ حضرات، سلیمانِ وقت ہیں اور ہم اتنے اندھے ہیں کہ اُنہیں نہیں پہچانتے۔ وہ بزرگ جو طائرانِ قدس ہوں اُن کے تربیت یافتہ لوگ کبھی ظلم نہیں کرتے بلکہ معذوروں کی خدمت کرتے ہیں۔ یاد رکھو! شیخ کے زیرِ تربیت تھوڑا سا مجاہدہ بھی بہت زیادہ مُفید ہوتا ہے۔ جتنے عیب اُس کے پاس لے کر جاؤ گے اُن سب سے نجات مل جائے گی۔

بطخ کے بچّے جن کو گھریلو مُرغ نے پالا

اے سالک انسان! تُو بطخ کے اُس انڈے کی طرح ہے، جس کو گھریلو مرغ نے اپنے پَروں کے نیچے لے کر پالا ہے۔ تیری ماں پانی سے تعلق رکھتی تھی لیکن دایہ کا تعلق خشکی سے ہے۔ تیرا تیرنے کی طرف میلان ماں (رُوح) کی طرف سے ہے اور خشکی کی طرف میلان دایہ (جسم) کی وجہ سے ہے۔ دایہ کی خشکی چھوڑ اور بطخوں کی طرح حقیقت کے سمندر میں آ جا۔ اگر تجھے دایہ پانی سے ڈرائے تو نہ ڈر۔ جسمِ انسانی، رُوحانی عروج کے راستے میں رکاوٹ بنتا ہے، اِسے زیادہ اہمیت نہ دے۔ جسم خاکی ہے اور رُوح بحرِ وحدت سے وابستہ ہے۔

تُو "کَرَّمْنَا" (ہم نے بنی آدم کو عزت دی) کی وجہ سے خشکی اور دریا دونوں میں قدم رکھتا ہے۔ جس طرح حضور ﷺ بشر ہونے کی حیثیت سے اِس عالَمِ دُنیا سے متعلق تھے اور ساتھ ہی اُن کی رُوح مسلسل وحی (عالَمِ بالا) سے

چشم را با رُوی اُو می دار جُفت
اپنی آنکھ کو اُس کے چہرے پر جمائے رکھ

گرد منگیزاں زراہِ بحث و گفت
بحث یا فضول گفتگو سے گرد نہ اُڑا

متعلق رہتی تھی۔ یہی حال شیخ کا بھی ہوتا ہے۔ شیخ بحر کی طرح ہے اور ہم مرغ آب ہیں۔ شیخ ہماری سب باتیں سمجھتا ہے۔ دریائے وحدت میں جب شیخ کی طرح گھسو گے تو تمہاری حفاظت کے لاتعداد سامان پیدا ہو جائیں گے جو ہر طرح کے خطرات سے تمہیں محفوظ رکھیں گے۔ تُو اپنے آپ کو بڑا سمجھتا ہے اس لیے شیخ کے ہاتھ میں ہاتھ دینے میں غیرت کے خلاف محسوس کرتا ہے۔ اِس لیے شیخ کی حقیقت تجھ پر عیاں نہیں ہوتی۔

اگر انسان کو انجام کی بھلائی پر یقین ہو تو اُس کے لیے مقصد کے حصول کی تکالیف آسان ہو جاتی ہیں۔ انسان اپنی غفلت کی وجہ سے ادنیٰ مطلوب میں لگا رہتا ہے اور اعلیٰ مقصد سے غفلت برتتا ہے۔ دنیاوی اَسباب کو ہی سب کچھ سمجھ لیتا ہے اور اَسباب کو پیدا کرنے والے کی طرف اُس کی توجہ نہیں جا سکتی۔ جو خوش قسمت اَسباب کے پیدا کرنے والے پر نگاہ رکھتا ہے اَسباب اُس کی نگاہ میں ہیچ ہو جاتے ہیں۔

حاجیوں کا ایک دَرویش کی کرامات پر حیران ہونا، جو گرم ریت پر بیٹھا ہوا تھا

صحرا میں ایک عبادت گزار زاہد تھا۔ حاجی وہاں سے گزرے تو اُسے اکیلے گرم ریت پر مصروفِ عبادت دیکھ کر حیران رہ گئے کیونکہ صحرا کی گرمی ہلاک کر دینے والی تھی۔ وہ اِس قدر تکلیف دہ مقام میں اِس قدر خوش تھا جیسا کہ کوئی سبزہ و گل میں مسرور ہو یا جیسے بُراق کی سواری پر ہو۔ وہ خشوع و خضوع اور عاجزی سے بھرا ہوا اپنے دوست سے اِستغراق میں کھڑا ہوا راز و نیاز کر رہا تھا۔

وہ گروہ کھڑا ہو گیا کہ درویش اپنی نماز سے فارغ ہو جائے۔ جب وہ اِستغراق سے نکلا تو اُنہوں نے دیکھا کہ اُس کے ہاتھوں اور چہرے سے وضو کا پانی ٹپک رہا ہے۔ اُنہوں نے اُس سے پوچھا: یہ پانی کہاں سے آیا ہے؟ اُس نے آسمان کی طرف اشارہ کر دیا۔ وہ کہنے لگے: اے دین کے بادشاہ! تُو اپنا راز ہم پر کھول دے تاکہ تیری حالت ہمیں یقین عطا فرما دے۔ اُس نے اُن کی دُعا کی قبولیت کے لیے آسمان کی طرف توجہ کی کہ اے مولا! میں عالمِ بالا سے رزق کی تلاش کا عادی ہوں کیونکہ تُو نے میرے لیے وہاں کا دروازہ کھول دیا ہے۔ تُو حاجیوں کی دُعا قبول فرما لے۔ تُو نے مجھے وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ ''اور آسمانوں میں ہے تمہارا رزق'' کا مُشاہدہ کرا دیا ہے۔ اتنے میں ایک اَبر آیا اور اُس نے برسنا شروع کر دیا۔ ہر جگہ پانی پانی ہو گیا۔ حاجیوں میں سے کچھ کو یقینِ کامل کی دولت نصیب ہو گئی۔ کیونکہ ہدایت اور یقین عطا کرنا اللہ ہی کے اِختیار میں ہے۔ اُن ہی میں سے کچھ لوگ کھوٹے اور کچے تھے یعنی اَبدی ناقص تھے وہ محروم رہے۔ بات ختم ہوئی۔

دفترِ دوم ختم شُد

زاں کہ گردد نجم پنہاں زاں غبار
کیونکہ اُس گرد سے ذوق کا چاند چھپ جائے گا

چشم بہتر از زبانِ با عثار
اِس لئے غلط بات کہنے سے صرف دیدار بازی بہتر ہے

انوار العلوم

گفت پیغمبر کہ ہست از امتم
پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں ایسے لوگ ہوں گے

کو بود ہم گوہر و ہم ہمتم
جو میرے جوہر علم اور ہمت میں شریک ہوں گے

•

مر مرا زاں نور بیند جانِ شاں
اُن کی رُوح مجھے اُس نُور سے دیکھ لے گی

کہ من ایشاں را ہمی بینم بداں
جس سے میں اُن کو دیکھتا ہوں یعنی نُورِ الٰہی

•

رومیاں آں صُوفیانند اے پدر
اے بابا صُوفی رومیوں کی طرح اپنی لوحِ دل کو صاف رکھتے ہیں

بے ز تکرار و کتاب و بے ہُنر
بغیر کسی علم اور کتاب اور سیکھنے کے

•

لیک صیقل کردہ اند آں سینہا
لیکن انہوں نے اپنے سینوں کو مانجھ کر صاف کر لیا ہے

پاک ز آز و حرص و بُخل و کینہا
لالچ اور حرص اور بُخل اور کینوں سے

خاکِ پاکاں لیسی و دیوارِ شاں
بھلے لوگوں کی دیوار کی مٹی چاٹنا

بہتر از عام و رز و گلزارِ شاں
عام لوگوں کے باغ کے انگوروں سے بہتر ہے